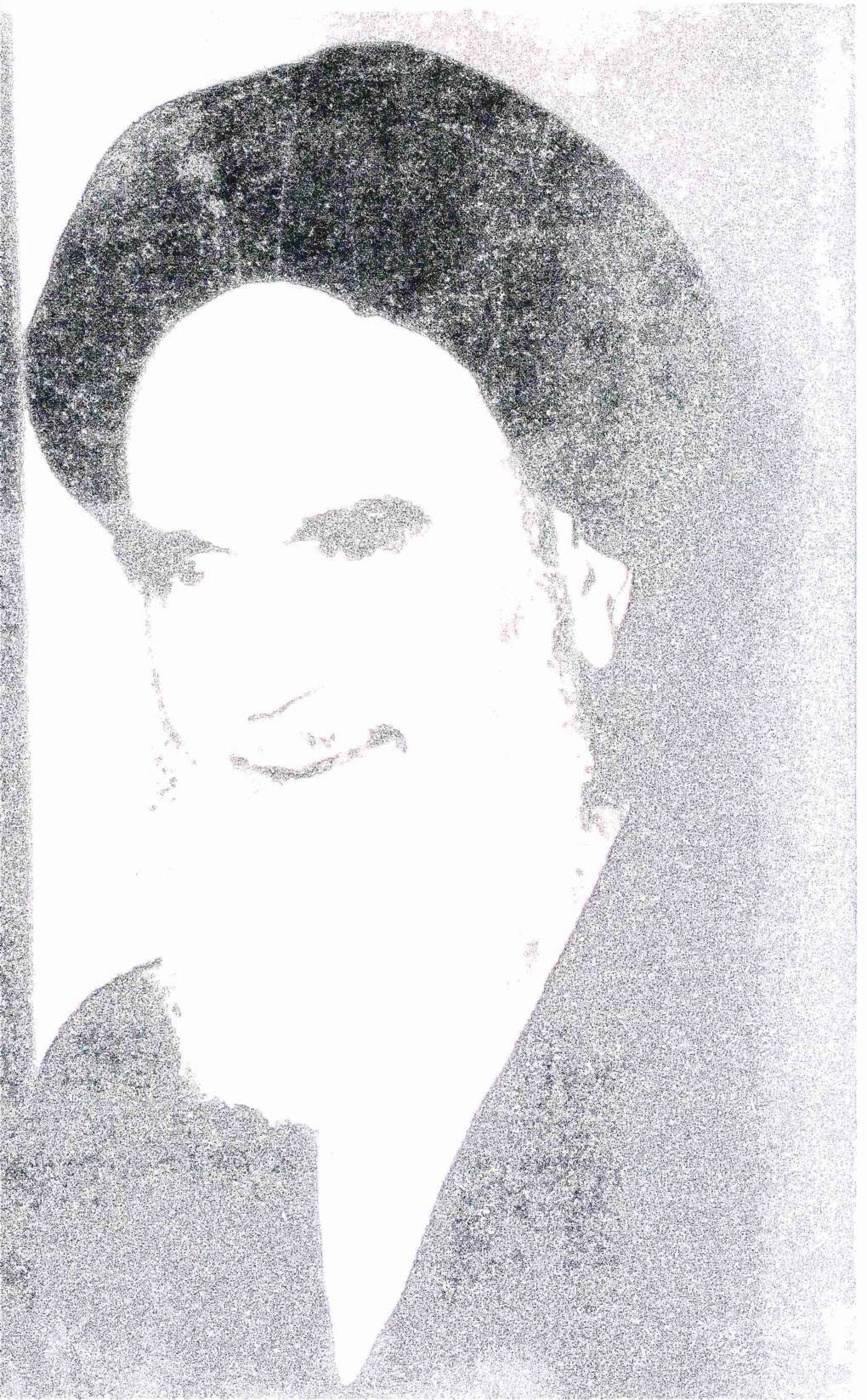
مرحوم

مُفتی جعفر حسین علیہ الرحمۃ

سنہ ۱۹۱۴ء — سنہ ۱۹۸۳ء

ایّامِ رفتہ پر مختصر نظر

• تحریر و ترتیب : غضنفر کاظمی



مرحوم

مُفتی جعفر حسین علیہ الرحمۃ

سنہ ۱۹۱۴ء — سنہ ۱۹۸۳ء

ایّامِ رفتہ پر مختصر نظر

• تحریر و ترتیب : غضنفر کاظمی



قبلہ مفتی صاحب مرحوم آیت اللہ گل پائیگانی کے ساتھ محوِ گفتگو

انتساب

اس عظیم انقلابی راہنما کے نام
جس نے مملکت ایران میں انقلاب بپا کر کے کروڑوں عوام کے
ذہنوں کو اس طرح منقلب کیا کہ وہ مادیت پرستی کی پستی
سے رُوحانی بلندیوں کی سمت مائل بہ پرواز ہوئے۔
خُدا اس رہبرِ کبیر کو سلامت رکھے۔

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت العالِم موت العالَم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی رسولہ والہ وسلم

قال النبی (ص) رحم اللہ خلفائی - فقیل: یا رسول اللہ، ومن خلفاء وک؟ قال (ص): "الذین یحیون سنتی و یعلمونہا عباد اللہ۔

حضرت پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا، خدا میرے خلفاء پر رحم کرے! پوچھا گیا، آپ کے خلفاء کون ہیں؟

فرمایا! وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ رکھتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

ان مایہ ناز شخصیتوں، بزرگوں اور بلند پایہ علماء کرام جنہوں نے اپنی زندگیاں لوگوں کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر رکھی تھیں، کے بارے میں کچھ کہنا ہماری ہمت سے باہر ہے اور ہمارے ذرائع بیان ان کے کمالات کے احاطے سے عاجز ہیں۔

جب ہم علماء کی سوانح پر غور کرتے ہیں تو ان کو قرآن اور سنت آئمہ اطہار (ع) کی تصدیق پاتے ہیں۔ کتنے عیار اور آیاتِ الٰہی کو سبوتاژ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینے والے دشمن اپنی مذموم کوششوں میں مصروف رہے۔ اس کے باوجود آج تک قرآن مجید کے ایک نقطے اور اعراب تک کو تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ پروردگارِ عالم (ج) کا ارشاد ہے۔

"قرآن کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

اور قرآنی تہذیب یافتہ اور قرآن پر ایمان رکھنے والے یہی علماء ہی تھے جنہوں نے اس عظیم کتاب کی محافظت کے لئے قربانیاں دیں۔" اور اسے محفوظ رکھا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں انہیں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

مثال کے طور پر "جناب شہید اوّل" جنہوں نے فقہ جعفریہ کی بنیادی کتاب "لمعہ" تصنیف کی۔ ان کا واقعہ یوں ہے کہ دشمنوں نے ان کو جیل میں ڈال دیا۔ قیدی بن کر نہ صرف یہ کہ آپ مسلمانوں کے معاملات کے بارے خاموش نہ بیٹھے بلکہ جیل ہی میں بغیر کسی کتاب کے مطالعے کے "لمعہ" جیسی کتاب تصنیف کر کے ملت مسلمہ کی عظیم خدمت انجام دی۔ اس واقعے سے احکامِ الٰہی کے بارے میں آپ کی معلومات

کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب دشمنوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے صرف جیل ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اُن کو بڑے کربناک طریقے سے شہید کر دیا۔ دو تنومند درختوں کو قریب قریب لایا گیا۔ اس عالم بزرگ کی ایک ٹانگ ایک درخت سے باندھی گئی اور دوسری ٹانگ دوسرے درخت سے، پھر ہر ایک درخت کو مخالف سمتوں میں کھینچا گیا اور بدنِ نازنین عالم دین دو ٹکڑے ہوگیا۔

اسی طرح ایک اور عظیم عالم "شہید ثانی" ہوئے ہیں جو دشمنانِ قرآن کے ہاتھوں قید ہوئے۔ یہ بھی شہید اول کی طرح بیکار نہ بیٹھے بلکہ اسی کتاب "لمعہ" کی شرح لکھی ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ علماء نے علوم دین حاصل کرنے میں کس قدر مہارت حاصل کی تھی کہ فقہی مسائل پر حاوی ہوگئے تھے۔

بہر حال جیلیں ان متحرک اعضاء کو مفلوج کرنے میں ناکام رہیں۔ غاصب حکام ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ علماء صرف مساجد تک محدود رہیں، نماز پڑھیں اور لوگوں کو صرف مسائل غسل و شکیات ہی بتائیں سیاست و امور سلطنت میں مداخلت سے گریز کریں لیکن کیا اسلام صرف شکیات اور احکام طہارت و پاکیزگی کی پابندی کا ہی نام ہے؟ اسلام ایک بحرِ بیکراں ہے جس میں یہ مسائل چند قطروں کی مانند ہیں

مختصر یہ کہ دشمنانِ دین نے حکم جاری کیا کہ جیل کی دیوار میں سر کی پیمائش کے مطابق سوراخ نکالیں حکم کی تعمیل ہوئی۔ جناب شہید ثانی کے سرِ مبارک کو سوراخ سے باہر نکال کر رسّی سے باندھا گیا۔ رسّی کا دوسرا سرا چار قوی ہیکل بیلوں سے باندھا گیا اور بیلوں کو ہانکا گیا۔ نتیجتہً اس عظیم عالم کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان حربوں سے اسلام مٹ گیا؟ اور دوسرے علماء خوفزدہ ہو کر اشاعت دین سے باز آگئے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں!

بلکہ اس کے بعد شیخ طوسی، شیخ مفید، سید رضی، بہشتی، مطہری اور باہنر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی شخصیں ان کے نقش قدم پر چلیں اور دین قرآن پر نثار ہوئیں۔

یہ وہ علماء ہیں جن کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے برتر ہے۔

(مداد العلماء افضل من دماء الشہداء)

اور حضرت علیؑ کے قول کے مطابق "العلماء حکّام علی الناس" انہی کو زیبا ہے کہ امورِ مسلمین کی سربراہی کریں یا جس طرح امام حسینؑ فرماتے ہیں۔

...... مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ" الامناء علی حلالہ وحرامہ۔

ترجمہ: حکومت کا نظم و نسق ان علماء کے ہاتھ ہونا چاہیئے جو حلال و حرام خداوندی سے آگاہ ہیں ان کے علاوہ، حکام، غاصب ہیں، جیسے کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

الملوک حکام علی الناس والعلماء حکّام علی الملوک

ترجمہ: بادشاہ لوگوں کے حاکم ہیں ۔ اور علماء بادشاہوں کے حاکم ہیں۔

یہ عظیم ہستیاں عوام میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی امین ہیں۔
جیسا کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے۔

العلماء امناء الرسول۔

ترجمہ: علماء الرسول کے امین ہیں۔

زیر نظر کتاب جوہر دخدا علاّمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مرحوم کی حیاتِ بابرکات کے بعض گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے اور ہمیں مذکورہ بالا مطالب سے قریب تر کرتی ہے۔

قبلہ مفتی صاحب جو اپنے آپ کو قوم کا خادم کہا کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ان سے بات چیت ہوتی نہایت انکساری سے فرماتے تھے کہ میری تمام تر کوششیں رہبر کبیر امتِ مسلمہ امام خمینی مدظلہ العالی کی شاگردی کی مرہونِ منت ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر اجتماع میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ لوگوں کو امام خمینی مدظلہ کی قیادت کی طرف متوجہ کروں اور آخر دم تک مسلمانوں کے مسائل کی فکر میں تھے۔

من اصبح ولم یہتم بامور المسلمین فلیس بمسلم۔

ترجمہ: جو صبح اٹھے اور مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں غور و فکر نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں۔

لندن جانے سے قبل حالانکہ قبلہ شدید علیل تھے مگر پھر بھی ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس کا متن آپ کی فراست و بلند فکری کی بیّن دلیل ہے۔

آپ کی تمام سرگرمیاں اور کوششیں مسلمانوں کے حقوق کے تحفّظ کے لیے ہیں۔ آپ کا نقطہ نظریہ تھا۔
"ملک کا نظم و نسق علماء کے مشورے اور ولایت فقیہ کے نظریے کے مطابق چلایا جانا چاہیئے، کیونکہ قرآن میں ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم۔

ترجمہ: وہ باہمی صلاح مشورے سے معاملات طے کرتے ہیں۔

بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مفتی صاحب قبلہ اس آیۃ مجیدہ کہ

ادع الی سبیل ربّك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

ترجمہ: لوگوں کو حکمت اور خوش اسلوبی سے خدا کے احکامات بتائیے
کے تحت اپنی ذمہ داریاں نبھانا چاہتے تھے اور یہی انبیاء علیہ السلام کے وارثوں کا کام ہے۔
جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں ہے۔

ولقد ارسلنا موسیٰ بایاتنا ان اخرج قومك من الظلمات الی النور

ترجمہ: بے شک ہم نے موسیٰ کو معجزات دے کر بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو ظلم کی تاریکی سے نکال کر عدل و انصاف کی روشنی تک لے جائیں۔

بہر طور قبلہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم ۔ آیۃ مجیدہ
اِنَّا للہ واِنَّا الیہ راجعون
ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں آتے ہیں اور موت کے بعد اس کی طرف ہی لوٹنا ہے ۔

کے سخت دشمنانِ قرآن کے خوف وخطر سے بالاتر ہوکر، عزم صمیم رکھتے ہوئے اور ایمان بچنے کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے ۔ چنانچہ انہی کی سوانح حیات میں پڑھا کہ انہوں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ۔ اور ان کے جانے کے بعد اسلام کی دیوار میں ایسا شگاف پڑ گیا ہے جو پر نہیں ہوگا ۔

اذا مات العالم ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدّھا شئی ○
ترجمہ: جب عالم فوت ہوجائے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جسے کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی ۔
آخر میں دُعا ہے کہ اسلام کے تمام علماء کا اقبال بلند ہو ۔ ہمیں ان کے پیروکاروں میں قرار دے ۔
اپنی بات کو اس دُعائیہ جملے پر ختم کر رہا ہوں ۔

الٰہی الٰہی احفظ لنا الخمینی حتی الظہور المہدیؑ ۔
(خدایا خدایا تا ظہور امام مہدی (ع) خمینی کو بچائے رکھ) ۔

اکبر یحییٰ آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

ماہ اگست میں
جناب اکبر حسین آبادی نے مجھے یہ شرف بخشا کہ میں قائدِ ملت جعفریہ، علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ تیار کروں۔ یہ جہاں میرے لیے ایک اعزاز تھا وہیں میرے سامنے ایک کٹھن مرحلہ بھی تھا۔ مجھے اس عظیم شخصیت کی سوانح عمری تیار کرنا تھی جس کی حیثیت کروڑوں عوام کے روحانی پیشوا کی ہے جس کی سادگی، محبت، خلوص، عبادت، زہد و تقویٰ زبان زدِ عام ہے لیکن وہ عظیم راہنما، قائدِ ملت جعفریہ آج البرٹ وِکٹر ہسپتال کے کمرہ نمبر ۱۴ میں ایک موذی مرض کے خلاف نبرد آزما ہے۔

میں ایک عزم کے ساتھ اس کام کو دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں قبلہ مفتی صاحب کا پُرنور چہرہ چھایا ہوا تھا۔ سر پر سفید عمامہ سیاہ و سفید داڑھی سیاہ عبا۔ چہرے پر متین مسکراہٹ، آنکھوں میں محبت کے سوتے، ہر ملنے والے کو یوں محسوس ہو جیسے مفتی صاحب اس پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ انہیں تصورات میں غلطاں و پیچاں ہسپتال پہنچ گیا۔ کمرہ کے دروازے پر قبلہ مفتی صاحب کے داماد ملک فیض بخش صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ وہ مجھے کمرے کے اندر لے گئے۔ کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹھک گیا۔ میرے تمام تصورات چکنا چور ہو گئے ـــــ تمام خیالات آسمانی برق کی طرح ایک لمحہ میں معدوم ہو گئے، میرے سامنے بستر پر ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ پاکستان میں ملتِ جعفریہ کے قائد مفتی جعفر حسین صاحب کیا یہی ہیں جو میرے سامنے ہیں؟ ان کی حالت دیکھ کر میری آنکھیں بھیگنے لگیں۔ نظر دھندلا گئی اور مفتی صاحب کا چہرہ پانی کے قطروں میں لرزنے لگا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی، لیکن حلق سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ سلام کرنا چاہا تو بے معنی سی آواز نکل کر رہ گئی۔ مفتی صاحب نے چہرہ گھما کر مجھ پر نظر ڈالی۔ خالی۔ خالی، اجنبی سی نگاہ۔ میں نے بے ساختہ ہاتھ پیشانی تک لے جا کر سلام کیا۔ انہوں نے سر ہلا کر جواب دیا اور ان کی

نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر شناسائی کی متلاشی رہیں۔ بظاہر جسم لاغر تھا۔ لیکن نگاہیں اس قوتِ ایمانی سے بھرپور تھیں کہ چند لمحوں میں یوں لگا، ان کی نگاہیں میرے دماغ میں اُتر رہی ہیں۔ میں اپنی جگہ ہپناٹزم کے معمول کی طرح ساکت وجامد کھڑا ایک ٹک ان کے نحیف و لاغر جسم کو دیکھے جا رہا تھا، جانے کتنا وقت اسی عالم میں گزر جاتا کہ ملک صاحب نے میری مشکل حل کی اور میرا بازو پکڑ کر آگے بڑھے اور قبلہ مفتی صاحب کے پلنگ کے پاس جا کر میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

"یہ غضنفر کاظمی صاحب ہیں" ———— مفتی صاحب جو اس وقت نیم غشی کی حالت میں تھے۔ عربی زبان میں گویا ہوتے۔ "تشکرکم" اور آگے بھی کچھ فرمایا جو میری سمجھ میں نہ آسکا۔ ملک صاحب نے مجھے بتایا کہ مفتی صاحب عربی میں میرا شکریہ ادا کر رہے ہیں اور اس کے بعد انہوں نے باآوازِ بلند دوبارہ مفتی صاحب سے کہا۔ "قبلہ یہ ایرانی کونسلیٹ سے آتے ہیں"۔ اس بار میں نے اپنا سر مفتی صاحب کے منہ کے قریب کرلیا۔ انہوں نے فارسی میں فرمایا۔ "خیلی خیلی متشکرم"۔ یعنی "میں بہت ——— مشکور ہوں"۔ ملک فیض صاحب نے پھر کہا۔ "حضور یہ پاکستانی ہیں"۔ اس بار مفتی صاحب نے اردو میں فرمایا۔ "بیٹے ——— تمہارا بہت۔ بہت۔ شکریہ۔ تم آتے، یہاں پر۔ کبھی گھر پر آنا"۔ ان جملوں کی ادائیگی میں ہی ان کا سانس پھول گیا۔ میں نے کہا۔ "حضور ضرور حاضر ہوں گا"۔ اس کے بعد چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ میں مفتی صاحب کو اور مفتی صاحب مجھے دیکھتے رہے۔ آخر میں نے سکوت کو توڑا اور بے ربط الفاظ کو مربوط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "قبلہ ہم کو ——— قوم کو ——— ملتِ جعفریہ کو آپ کی بہت ضرورت ہے ——— بہت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے"۔ انہوں نے سر جھکا لیا اور چند لمحہ توقف کے بعد فرمایا۔ "اُمت کو آئمہ معصومینؑ کی بھی ضرورت تھی"۔

پھر میری طرف دیکھا اور فرمایا "دُعا کرو"۔

پھر فرمانے لگے۔ "میں آقای احمد کے ساتھ تصویر بنوانا چاہتا ہوں"۔ پھر فرمایا۔ "مجھے کسی طرح قم پہنچا دو۔ پہنچا سکتے ہو؟" میں سوچ رہا تھا کہ اس سوال کا کیا جواب دوں کہ ملک فیض صاحب نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوتے مجھے بیٹھنے کی دعوت دی اور مجھے جیسے ہوش آگیا۔ مجھے یاد آگیا کہ میں کس مقصد سے یہاں آیا تھا۔ میں نے اپنی ڈائری نکالی اور مفتی صاحب کی زندگی سے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔ جتنی دیر میں وہاں بیٹھا ملک فیض صاحب سے گفتگو کرتا رہا۔

اس دوران مفتی صاحب بھی بعض سوالات کے جواب میں گویا ہوئے لیکن چونکہ وہ اس وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے اور ان کے جوابات میں ربط موجود نہ تھا اس لیے میں ان کو درج نہیں کر رہا۔

اس کتاب کے سلسلے میں جن لوگوں نے میری مدد کی میں ان کا بہت ممنون ہوں خاص طور سے جناب ملک فیض بخش صاحب اور جناب مفتی صاحب کے بڑے بھائی جناب محمد حسن جعفری صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میری بہت مدد کی۔

میں نے انتہائی دیانت داری سے کوشش کی ہے کہ حرف بحرف تمام واقعات جیسے مجھے معلوم ہوتے ہیں، ویسے ہی تحریر کروں۔ اس کے باوجود اگر سہواً کوئی غلطی ہو گئی ہو تو جناب مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ اور قارئین کرام سے معافی کا خواستگار ہوں۔

آپ کا اپنا
کاظمی
۱۰ اگست ۱۹۸۳ء

بسمہٖ تعالیٰ

گوجرانوالہ جس کا شمار آج پاکستان کے گنجان آباد شہروں میں ہوتا ہے جو صنعتی ترقی کی بنا پر پاکستان کی معیشت میں خاص اہمیت کا حامل ہو رہا ہے۔ روز افزوں ترقی اور آبادی کے ساتھ ساتھ اس کا پھیلاؤ بھی مسلسل بڑھ رہا ہے۔ آج سے ایک صدی پہلے کا گوجرانوالہ اتنا وسیع نہ تھا۔ انیسویں صدی کا گوجرانوالہ چند گلیوں اور چار بازاروں پر مشتمل تھا۔ انہیں چار بازاروں میں سے ایک اردو بازار تھا جس میں مولوی محمد اشرف نامی ایک گلی میں حکیم غلام حیدر صاحب کا گھرانہ برسوں سے آباد تھا۔ حکیم غلام حیدر اپنی حکمت، حق گوئی، دیانت اور سادگی کی بنا پر شہر میں اچھی شہرت کے حامل تھے۔ نمازِ پنجگانہ کے پابند انتہائی خوش اخلاق شخصیت کے حامل تھے۔

اولادِ نرینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹوں سے نوازا۔ حکیم چراغ دین اور حکیم شہاب الدینؒ ان دونوں بھائیوں کی زندگی پر صوم وصلوٰۃ کے پابند مسلم گھرانے کا واضح نقش موجود تھا۔ حکیم شہاب الدینؒ نے علم طب میں مہارت حاصل کی اور کئی مفید کتب تحریر کیں۔ اس کے علاوہ ادب سے بھی شغف رکھتے تھے اور اردو، فارسی اور پنجابی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ گو ان کا کلام شائع نہیں ہوا لیکن اس کا کافی حصہ آج بھی ان کے گھر میں موجود ہے۔

چھوٹے بھائی حکیم چراغ دین کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں سے نوازا جن میں بڑے لڑکے کا نام محمد حسنؒ منجھلے کا نام جعفر حسین اور چھوٹے کا منظور حسین رکھا۔

ان میں محمد حسن ۱۹۱۲ء میں اور جعفر حسین ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ لیکن تعلیمی لحاظ سے دونوں بھائیوں میں ایک جماعت کا فرق تھا۔ پانچویں جماعت میں جبکہ بڑے بھائی محمد حسین بوجہ بیماری امتحان نہ دے سکے تو یہ فرق بھی ختم ہو گیا اور دونوں بھائی ایک ہی جماعت میں ہو گئے۔

جعفر حسین کی پرورش کی ذمہ داری ان کے تایا حکیم شہاب الدین نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ جنہوں نے ان کو بچپن ہی میں سیرتِ نبی صلعم اور حیاتِ مبارکہ آئمہ معصومین (ع) از بر کرا دی۔ جعفر حسین کے ننھے سے ذہن کو جس چیز نے متاثر کیا۔ وہ ان پاک و مقدس ہستیوں کی بے نیازی، فقر و فاقہ، صبر و قناعت اور جذبۂ شکر تھا۔ چونکہ یہ صفات بچپن میں لاشعور میں رچ بس گئی تھیں۔ لہٰذا ان کی تمام زندگی ان صفات کا مظہر رہی۔

جعفر حسین کا بچپن میں کھیلنے کا انداز بھی نرالا تھا۔ وہ اور بچوں کی طرح کبھی گلیوں میں نہیں کھیلے۔ بلکہ اپنے گھر میں اینٹوں کا ایک چبوترا بناتے اور چند بچوں کو زمین پر بٹھا کر خود چبوترے پر بیٹھ جاتے اور بچوں

سے کہتے: "میں تقریر کروں گا۔تم رونا" اس کے بعد اپنے تایا سے سُنے ہوئے پاک و مقدس ہستیوں کے حالات بیان کرنا شروع کر دیتے اور بیچ میں جب دیکھتے کہ سامنے بیٹھے ہوئے بچے متوجہ نہیں ہیں تو ان پر ناراض ہوتے اور ان کو ڈانٹ کر رونے کو کہتے۔

تنہائی کے عالم میں آپ کی نگاہیں سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ رات کو آپ چارپائی پر لیٹ کر آسمان پر چمکتے ستاروں میں کچھ ڈھونڈتے رہتے۔

آپ کے تایا حکیم شہاب الدین نے آپ کو بچپن ہی سے نماز و روزے کی طرف راغب کر دیا تھا۔آپ کمسنی ہی سے کھانے سے بے نیاز رہتے اور کھاتے بھی تو بہت کم کھاتے، اور اگر دستر خوان پر کئی قسم کے کھانے ہوتے تو آپ سب سے سادہ غذا کھانا پسند فرماتے۔ اگر گھر والوں میں سے کوئی اچھی چیز مثلاً گوشت وغیرہ کھانے پر مجبور کرتا تو آپ جناب رسالت مآب صلعم یا آئمہ کرام کی حیاتِ طیبّہ کی مثال دے کر کہتے کہ وہ تو تمام زندگی جو کی سوکھی روٹی کھاتے رہے۔ میں گوشت کیسے کھالوں۔

۵ برس کی عمر سے حکیم شہاب الدین نے آپ کو قرآن کے علاوہ عربی زبان کی تدریس شروع کر دی اور سات برس کی عمر میں آپ کی حدیث و فقہہ کی تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا۔

قرآنِ پاک، عربی، حدیث و فقہہ کی تعلیم آپ نے اپنے تایا حکیم شہاب الدین کے علاوہ جناب مولانا چراغ علی صاحب خطیب جامع مسجد اہلِ سُنت اور حکیم قاضی عبدالرحیم صاحب جو کہ مدرسہ ندوی لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے، سے بھی حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر تک آپ طب، حدیث و فقہہ اور عربی زبان پر کافی عبور حاصل کر چکے تھے۔ اس دوران موچی دروازہ لاہور کے مرزا احمد علی مرحوم کی نظر بچہ پر پڑی اور چشم جوہر شناس نے جسدِ خاکی کے سیپ میں پوشیدہ بے مثال موتی کی چمک کو جا پنچ لیا۔ اور ۱۹۲۶ء میں اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گئے، جو ہر دَور میں علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ جہاں کی ثقافت، ادب، فصاحت و بلاغت اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ لکھنؤ میں آپ کو مدرسۃ ناظمیہ میں جناب مولانا ابوالحسن عرف مُنّن کے سپرد کر دیا گیا۔ یہاں آپ جناب سیّد علی نقی صاحب، جناب مولانا ظہورالحسن صاحب اور جناب مفتی احمد علی صاحب سے بھی مستفیض ہوئے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جہاں علم و خیالات میں پختگی آتی چلی گئی۔ وہیں آپ کا ایمان بھی درجہ کاملہ کی منازل طے کرنے لگا۔ آپ نے نفسِ امّارہ کو نکیل ڈال کر اپنے قابو میں کیا اور خود اپنی ذات کے اندر ڈوب کر اپنی شناخت کرنے لگے۔ آپ کے پیشِ نظر حضرت امیرالمومنین کا یہ فرمان تھا "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (کہ جس نے خود کو پہچان لیا، اس نے خدا کو پہچان لیا) لکھنؤ میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ آپ ادبی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ انہی دنوں لکھنؤ میں انجمن مقاصدہ کے نام سے ایک تنظیم پروان چڑھی جو مختلف مواقع پر نعتیہ محفلیں منعقد کراتی۔ اس میں قصیدے پڑھے جاتے۔ آپ

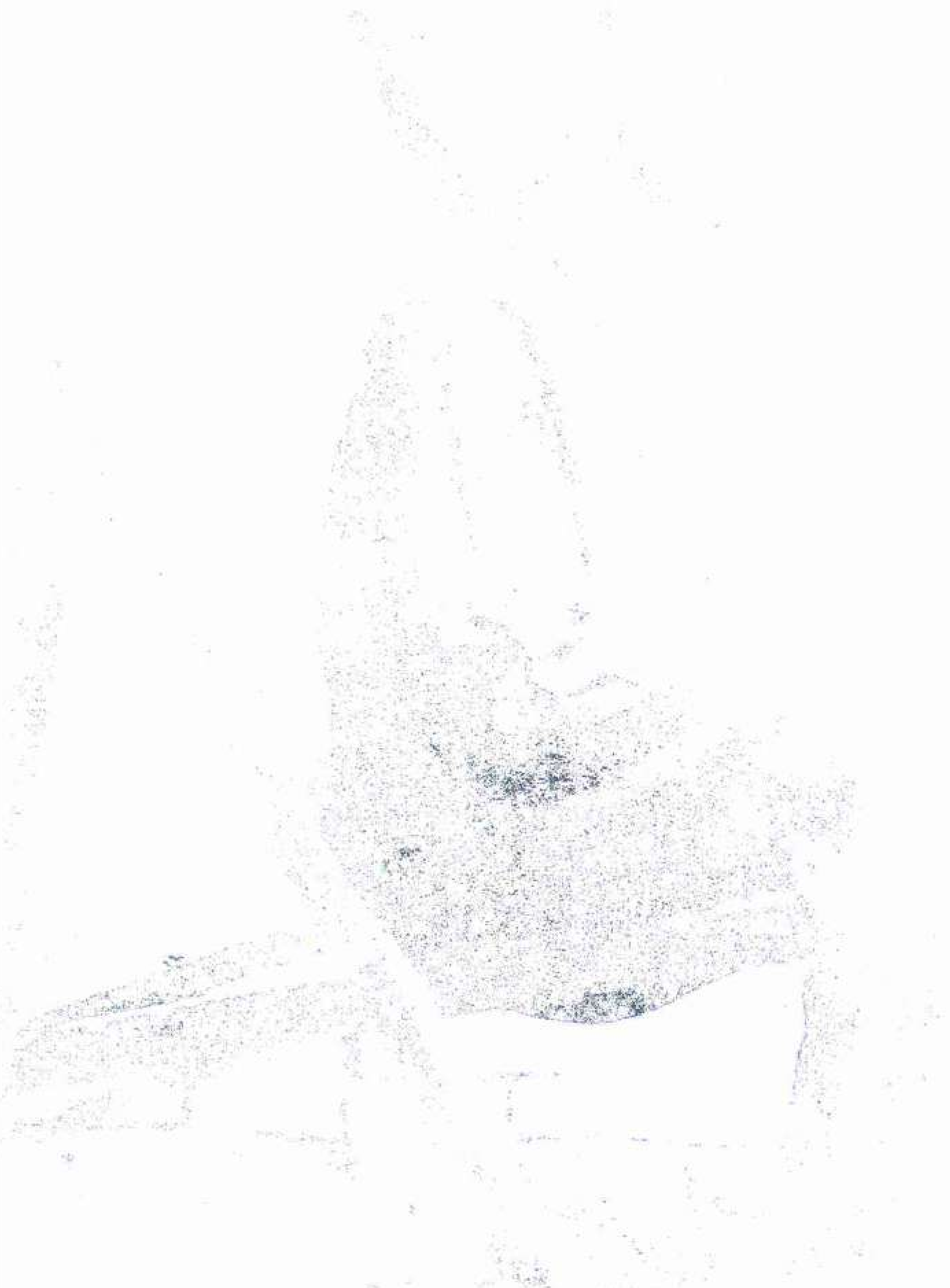
طویل عرصے تک اس انجمن کے ناظم رہے۔ آپ خود بھی عربی زبان میں شاعری کرتے اور عمدہ قصیدے کہتے تھے۔

پختگیٔ شعور اور وسعتِ علم کے ساتھ ساتھ آپ کے ذہن کے دریچے کھلنے لگے۔ آپ نے اس بات کی کوشش شروع کر دی کہ آپ کی ذات آئمہ مطاہرین کی حیاتِ طیبہ کا مظہر ہو۔ آپ کا خیال تھا کہ آپ کا مذہب تعارف کے لیے آپ کے نام کا محتاج نہ ہو۔ یعنی غیر شخص "جعفر حسین" نام سن کر آپ کے مذہب کا اندازہ نہ لگا سکے، بلکہ دیکھنے والا آپ کے اعمال دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھے کہ یہ اولادِ علیؑ ہے۔ آپ مسلسل روزے سے رہنے لگے تعلیم کے دوران آپ نے فاقے گوارا کر لیے مگر کبھی وظیفہ نہیں لیا۔

ایک بار کراچی کے ایک سیٹھ جناب غلام حسین صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں طلبا کو بلا کر ان کو وظائف دینے لگے۔ جب سب طلبا وظائف لے کر چلے گئے تو نواب صاحب کو معلوم ہوا کہ جعفر حسین نامی ایک طالبِ علم وظیفہ لینے نہیں آیا۔ آپ خود چل کر جعفر حسین کے کمرے میں گئے تو دیکھا فرش پر ایک چٹائی بچھی ہوئی ہے اس پر بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ سیٹھ صاحب نے ان کو وظیفہ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں یہاں علم لینے آیا ہوں۔ وظیفہ نہیں"۔ سیٹھ صاحب نے کافی اصرار کیا مگر آپ نے وظیفہ قبول نہیں کیا۔ آپ کا زیادہ تر وقت فاقوں میں بسر ہوا مگر آپ نے کبھی فاقہ کشی کا یا غربت کا شکوہ نہ کیا بلکہ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتے۔ آپ کے پیشِ نظر میدانِ کربلا میں امام اعظم کا شکرِ ربِ جلیل تھا۔

مدرسۂ ناظمیہ میں آپ نے ہر امتحان میں نہ صرف یہ کہ امتیازی و نمایاں حیثیت حاصل کی بلکہ کچھ اعزازی سندیں بھی حاصل کیں۔ آپ کے کردار کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار قبلہ علی نقی صاحب نے بے ساختہ فرمایا "جعفر —— پنجاب کا روشن چراغ ہے۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب اس کی روشنی دُور دُور تک پھیل جائے گی۔ ہمیں اس سے بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں۔"

۹ سال لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۹۳۵ء میں نجف اشرف تشریف لے گئے۔ جہاں پانچ برس تک فقہ کی مزید تعلیم حاصل کی اور ان کی خوش قسمتی کہ انہیں وہاں آقای سید ابوالحسن اصفہانی جیسے صاحبِ شریعت اور عالمِ باعمل استاد سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ نجف میں بھی آپ کی زندگی کا وہی ڈھنگ رہا کہ اکثر و بیشتر فاقوں میں بسر ہوتی۔ نجف اشرف میں قیام کے دوران آپ کی ملاقات مولانا اظہر حسن زیدی صاحب سے ہوئی جو بعد ازاں گہری دوستی کا



موجب بنی۔

۵ برس بعد ۱۹۴۰ء میں گوجرانوالہ کا جعفر حسین حجۃ الاسلام مفتی جعفر حسین بن کر واپس وطن لوٹا۔ وطن واپسی کے بعد آپ نوگانواں سادات ضلع مراد آباد میں دینی مدرس کے فرائض انجام دینے لگے اور ۲ برس تک وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے آبائی شہر گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی دوران آپ کراچی بھی گئے اور اپنی زندگی کی پہلی مجلس سیٹھ غلام حسین صاحب کے گھر میں پڑھی وہی سیٹھ جو کبھی لکھنؤ میں آپ کو وظیفہ دینے گئے تھے۔

مُفتی جعفر حسین صاحب:

ایک مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اور ۲ مرتبہ اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن منتخب ہوتے اور علامہ حافظ کفایت حسین صاحب اور علامہ رضی کے ساتھ دینی خدمات میں مصروف رہے۔

علماء کرام کے ۲۲ نکات اور قرارداد مقاصد

۱۹۵۰ء میں اسلامیانِ پاکستان نے جبکہ قرارداد مقاصد کو منظور ہوتے ۲ سال گزر چکے تھے۔ یہ پُرزور مطالبہ شروع کیا کہ قرارداد مقاصد کے مطابق اسلامی آئین وضع کیا جائے۔

اسلامی نظام کی مخالفت کرنے والے یہ کہتے تھے کہ اسلامی آئین کیسے بن سکتا ہے مُلک میں کتنے فرقے بستے ہیں لوگ کس فرقے کا اسلام چاہتے ہیں۔

مذکورہ بالا اعتراض کو دفع کرنے کے لیے ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو ملک بھر کے ۳۱ معتمد علماء جو مختلف اسلامی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کراچی میں جمع ہوتے اور انہوں نے اسلامی آئین کے ۲۲ نکات متفقہ طور پر طے کر دیے۔

(شیعوں کی طرف سے علامہ کفایت حسین مرحوم اور مفتی جعفر حسین صاحب شریک تھے۔

ان نکات کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک کسی اسلامی فرقے نے ان نکات کو نہیں جھٹلایا، سب کے نزدیک ان کی حیثیت اسلامی مملکت کے بنیادی اصولوں کی ہے حتیٰ کہ ان نکات کے ۱۷ برس بعد ۱۹۶۸ء میں، اس وقت کے

صدر ایوب خان نے علمائے کرام کو اسلامی آئین کے سوال پر متحدہ موقف اختیار کرنے کے لیے کہا تو تمام علماء اور دینی جماعتوں نے انہی ۲۲ نکات کا اعادہ کیا اور اس طرح ۔ "دینی انتشار" کا نعرہ دوسری مرتبہ بھی ناکام ہو گیا۔

۲۲ نکات

۱ : اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲ : ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سُنت کے خلاف ہو۔

تشریحی نوٹ

اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سُنت کے خلاف ہوں تو اس کی تشریح ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

۳ : مملکت کسی جغرافیائی، لسانی نسلی یا کسی اور تصور پر نہیں، بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

۴ : اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سُنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو ہٹانے اور شعائر اسلامی کے احیاء۔ و اعلاء اور مسلّم اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵ : اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیتِ جاہلیہ کی بنیاد پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶ : مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہو گی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیِ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷ : باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا

کیے ہیں یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظِ جان و مال، آبرو، آزادی مذہب و مسلک آزادی عبادت آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، آزادی اکتسابِ رزق ترقی کے مواقع میں یکسانی، اور رفاہی ادارت سے استفادہ کا حق۔

۸: مذکورہ بالا حقائق میں سے کسی شخص کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹: مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا ہوگا، مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۰: غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱: غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوقِ شہری کا ذکر، دفعہ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲: رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳: رئیسِ مملکت ہی نظم و نسق کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جز و کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

۱۴: رئیسِ مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ جمہوری ہوگی یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵: رئیسِ مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶: جو جماعت رئیسِ مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرتِ رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷: رئیسِ مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸: ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹: محکمۂ عدلیہ محکمۂ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰: ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکتِ اسلامی کے اساسی اصول و ضوابط کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱: مملکت کے مختلف ولایات و اقطاعِ مملکتِ واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیشِ نظر مرکز کی حکومت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲: دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سُنّت کے خلاف ہو۔

قراردادِ مقاصد

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

لہٰذا جمہورِ پاکستان کی نمائندہ یہ مجلسِ دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خودمختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

● جس کی رُو سے مملکت، جملہ حقوق و اختیاراتِ حکمرانی جمہور کے نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے، جس میں اصولِ جمہوریت و حریت اور رواداری اور عدلِ حکمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

● جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن اور سُنّتِ رسولؐ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

● جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر

عقیدہ رکھ سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

● جس کی رُو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

● جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاقِ عامہ کے تحت برابر کی حیثیت اور مواقع، قانون کی نظر میں یکساں سلوک، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، خیال، اظہار، عقیدہ، دین، عبادات اور اجتماعی کی آزادی شامل ہوں۔

● جس کی رُو سے نظامِ عدل کی آزادی کامل طور سے محفوظ ہو۔

● جس کی رو سے وفاقیہ کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے برّ و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفّظ کیا جائے۔

تاکہ اہلِ پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں، اقوامِ عالم میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور عالمی امن کے قیام اور بنی نوعِ انسان کی ترقی و بہبود میں کماحقہ، اضافہ کر سکیں۔

۱۹۷۹ء میں آل پاکستان شیعہ کنونشن منعقدہ بھکر میں لاکھوں افراد نے متفقہ طور پر آپ کو قائد ملت جعفریہ کا خطاب دیا اور ہمارا رہبر تمہارا رہبر، مفتی جعفر، مفتی جعفر کے فلک شگاف نعروں سے اس خطاب کا خیر مقدم کیا۔ وہاں آپ نے حکومت کو شیعہ مطالبات پیش کیے جن میں نفاذ فقہ جعفریہ کا مطالبہ بھی شامل تھا۔

آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ہونے کی حیثیت سے حکومت کو ۳۰۔ اپریل ۱۹۷۹ء تک کی مہلت دی اور معینہ مدت میں مطالبات تسلیم نہ ہونے پر اسلامی نظریاتی کونسل سے احتجاجاً مستعفی ہو گئے ــــــ حکومت نے آپ کا استعفیٰ منظور نہیں کیا اور ہر ماہ آپ کو تنخواہ بھیجی جاتی رہی لیکن آپ نے یہ کہہ کر تنخواہ واپس کر دی کہ جب میں کام نہیں کرتا تو معاوضہ کس بات کا لوں لیکن پھر بھی تین برس تک اسلامی نظریاتی کونسل میں آپ کی نشست اسی قائد کی منتظر رہی اور کسی کو آپ کی جگہ نامزد نہیں کیا گیا۔

قبلہ مفتی جعفر حسین صاحب، ایک نڈر، بے باک، راست گو اور سادہ انسان ہیں جو بھی مذہبی فرائض آپ پر عائد ہوتے۔ آپ نے ہمیشہ ان کو لگن، محنت اور دیانت داری سے انجام دیا۔

۱۹۸۰ء میں عراق میں عالم اسلام کے بطلِ جلیل آیت اللہ العظمیٰ آقای باقر الصدر کی شہادت اور

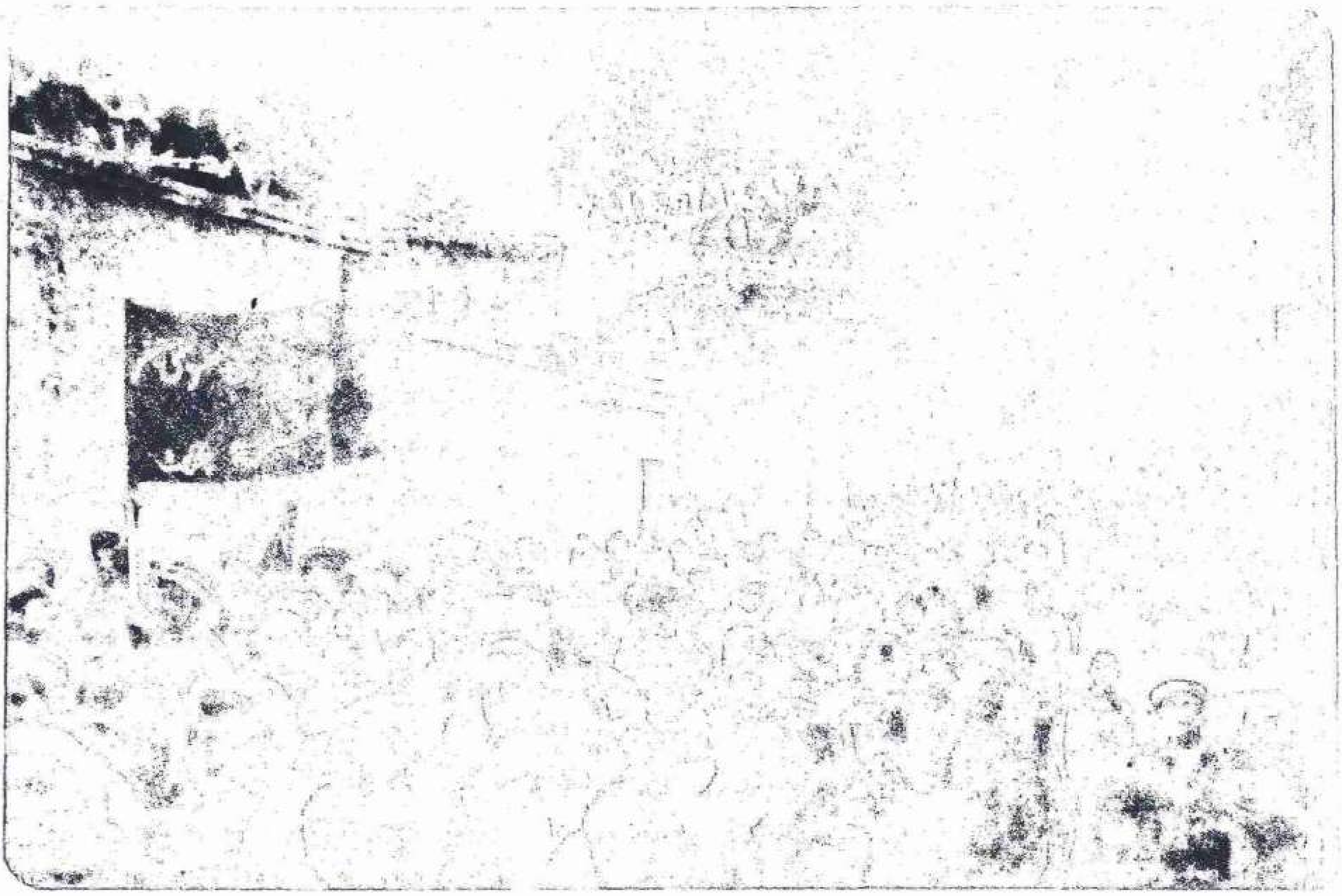
ان کی عالم و فاضل اور مظلوم ہمشیرہ سیدہ آمنہ بنت الہدیٰ کے زندہ جلائے جانے کی روح فرسا خبر موصول ہوئی جس پر تمام عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ پاکستان کے مسلمانوں نے اس ظلم و تشدّد اور ایک جلیل القدر عالم اور ان کی بہن کے ساتھ اس بہیمانہ اور اذیت ناک سلوک پر شدید ردّعمل کا اظہار کیا اور گلگت، بلتستان، آزاد کشمیر، پشاور، راولپنڈی، لاہور، ملتان، حیدر آباد، بہاول پور، سکھر، ڈیرہ اسمٰعیل خان، کوئٹہ، کراچی، سرگودھا اور اکثر ضلعی مقامات پر احتجاجی جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ گوجرانوالہ میں جناب مفتی صاحب قبلہ کی قیادت میں ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا۔

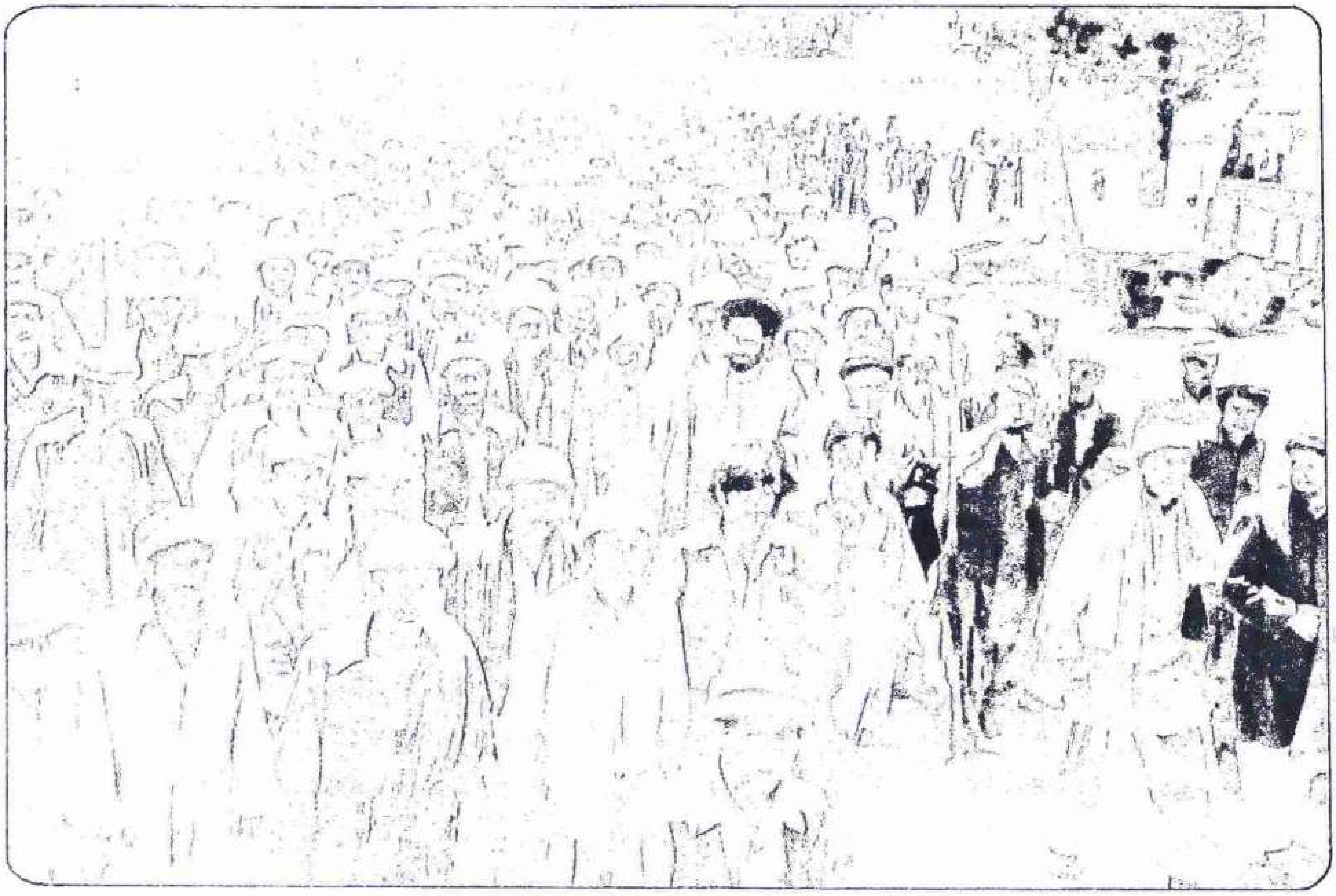
اور ملک کے گوشے گوشے سے یہ مطالبہ دُہرایا جانے لگا کہ حکومتِ عراق تک ان کی صدائے احتجاج پہنچائی جائے لیکن جب دو ماہ تک کوئی شنوائی نہ ہوئی تو قبلہ مفتی جعفر حسین صاحب کی قیادت میں ہیئت علمائے پاکستان نے ۴، ۵ جولائی ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں ملک گیر کنونشن کے انعقاد کا اعلان کیا لیکن اس کنونشن سے چند روز قبل یعنی ۲۰ جون کو حکومت نے زکوٰۃ آرڈیننس کے نفاذ کا اعلان کر دیا جس میں مذہب ملّتِ جعفریہ کے نقطۂ نظر کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا چنانچہ قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین کی طرف سے اس کنونشن کی توثیق کے بعد اس کا اوّلین مقصد نفاذ فقہ جعفریہ قرار پایا۔ اس سلسلے میں آپ نے ملک بھر کے دورے کیے جس میں چترال، سوات، پاراچنار، ہنزہ، ملتان اور کوئٹہ میں آپ کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔

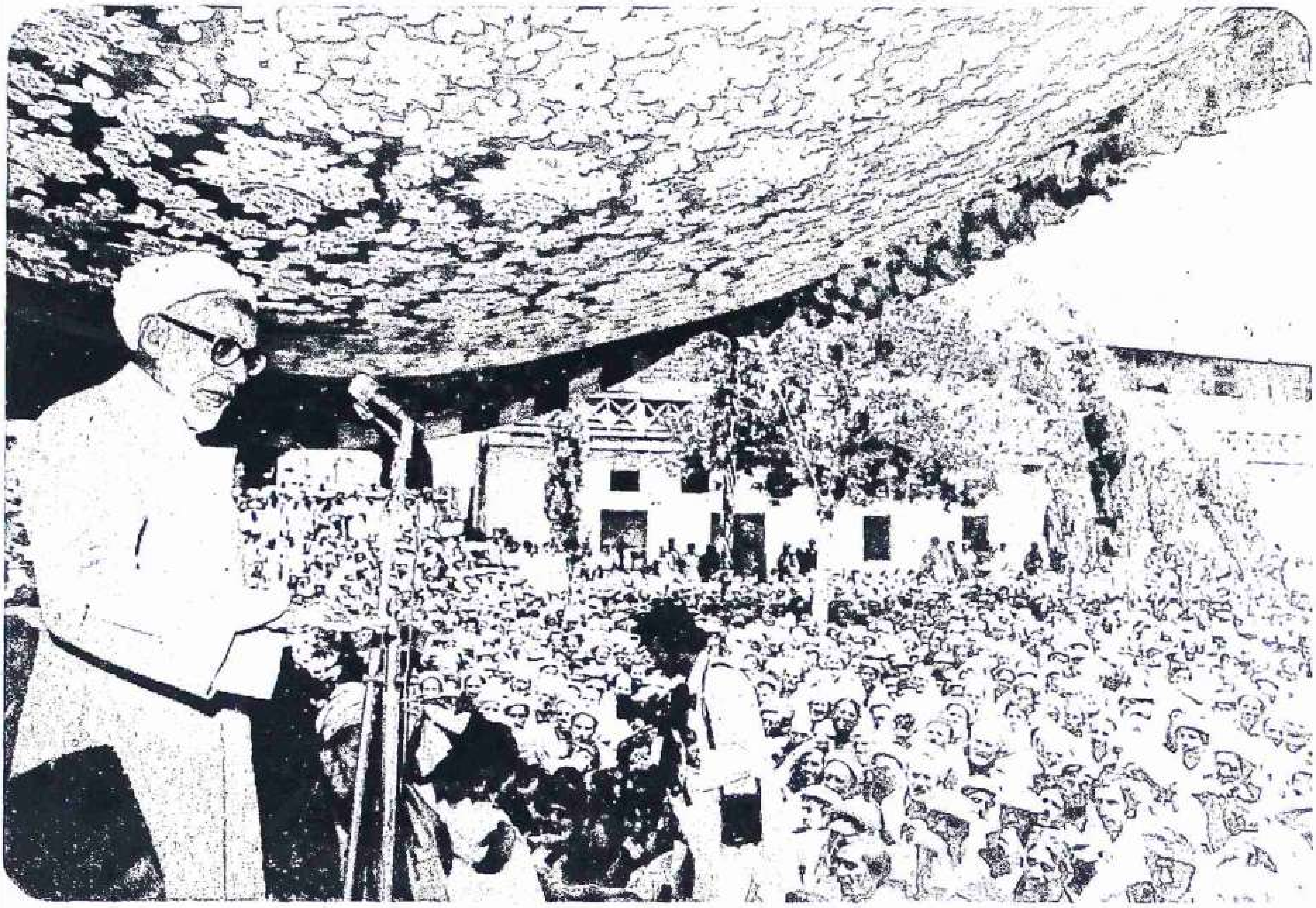
اس کنونشن میں جو ہاکی گراؤنڈ میں منعقد کیا گیا۔ ملک کے طول و عرض سے لاکھوں محبانِ وطن نے شرکت کی کنونشن کی صدارت قائدِ ملّتِ جعفریہ مفتی جعفر حسین صاحب نے فرمائی۔

آپ جونہی جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ تمام مومنین احتراماً کھڑے ہو گئے اور فضا نعرۂ تکبیر، نعرۂ حیدری اور ایک ہی قائد ایک ہی رہبر مفتی جعفر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی، قبلہ مفتی جعفر حسین صاحب کے کرسیٔ صدارت پر متمکن ہونے کے فوراً بعد کنونشن کی ابتدا تلاوتِ کلام پاک سے ہوئی۔ کنونشن میں شریک علماء کرام، ذاکرین، شعراء کرام اور زعماء قوم کی تقاریر کے بعد آخر میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب نے اجلاس سے خطاب فرمایا اور اعلان کیا کہ صرف علماء کا ایک احتجاجی مگر پُرامن جلوس وزارتِ مذہبی امور کی طرف مارچ کرے گا۔ آپ نے عوام کو جلوس میں شرکت کی اجازت نہ دی۔

وزیر مذہبی امور جناب محمود۔ اے۔ ہارون نے قبلہ مفتی صاحب سے دو گھنٹے تک مذاکرات کیے اور بعد میں دو گھنٹے کی مہلت لے کر صدر مملکت کے پاس تشریف لے گئے اور









قبلہ مفتی صاحب نے پنڈال میں واپس جاکر قوم کو پوری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اعلان فرمایا کہ تمام لوگ سول سیکرٹریٹ کی طرف پُرامن مارچ کریں۔

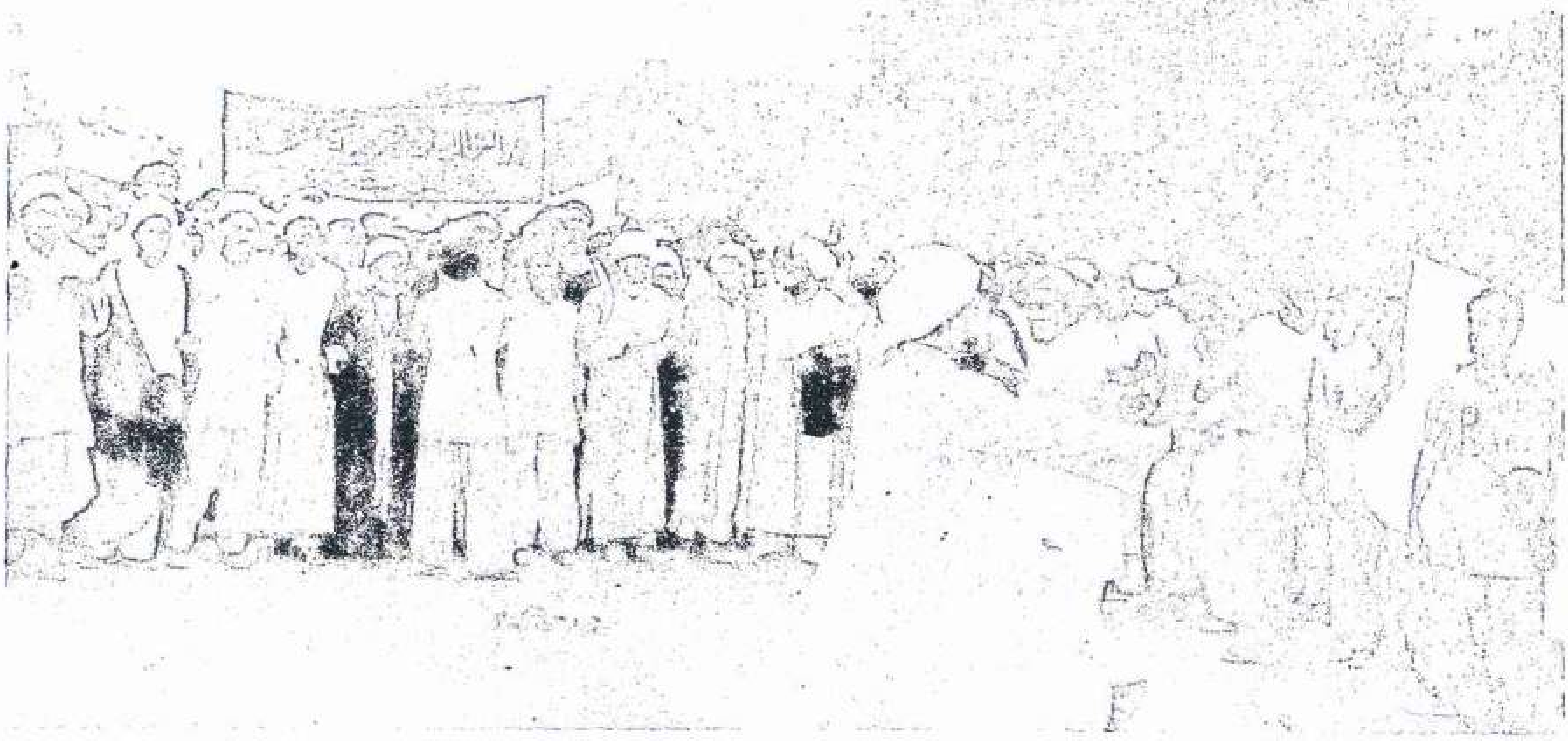
بعد ازاں حکام کے ساتھ قبلہ مفتی صاحب کی ایک اور میٹنگ ہوتی جو سارا دن جاری رہی اس میٹنگ میں قبلہ مفتی صاحب کے ہمراہ ملتان کے مولانا گلاب شاہ، جناب صفدر حسین نجفی صاحب اور سید بشیر حسین نقوی ایڈووکیٹ بھی تھے۔ بالآخر تمام دن کی میٹنگ کے بعد ایک تحریری معاہدہ طے پاگیا۔

جس پر ملتِ جعفریہ کی جانب سے قبلہ مفتی جعفر حسین صاحب نے اور حکومت کی جانب سے وزیر مذہبی امور جناب محمود اے ہارون نے دستخط کیے۔ اس معاہدہ کی رو سے حکومت اس بات پر رضامند ہوگئی تھی کہ:

> "زکوٰۃ آرڈیننس میں فقہ جعفریہ کے متعلق ترمیم کردی جائے گی، اور آئندہ جو اسلامی قانون بنے گا اس میں فقہ جعفریہ کا خیال رکھا جائے گا۔"

جون ۱۹۸۱ء میں میں ایک ۲۳ رکنی وفد قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین صاحب کی زیر قیادت اسلامی جمہوریہ ایران کے دورے پر گیا۔ اس وفد کو حکومت جمہوری اسلامی ایران نے آمد و رفت اور رہائش سمیت تمام اخراجات برداشت کرنے کی پیشکش کی لیکن مفتی صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایران ایک طویل اسلامی و انقلابی تحریک سے گزرا ہے اور اب حالت جنگ میں ہے ان حالات میں ایران کے اخراجات میں اضافہ کا موجب بننا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ مفتی صاحب نے ایران کے جید علماء سے ملاقاتیں کیں اور حضرت آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ الموسوی الخمینی مدظلہ سے ۴۵ منٹ کی ایک خصوصی اور ۲۵ منٹ کی ایک عمومی ملاقات کی وہاں پر آپ نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا جس کی روداد حسبِ ذیل ہے۔

★★★★★★★★★★★★★







پریس کانفرنس

۶/۲ بجے دفتر الجہاد میں قائدِ ملت کی پریس کانفرنس تھی۔ وہاں کیہان انٹرنیشنل پارس جہاد اور شہید کے نمائندگان نے حسبِ دستور سوالات کیے۔

کیہان : پاکستان میں انقلابِ ایران کے اثرات کیا ہیں؟

قائدِ ملت : یہ تو معلوم ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ چنانچہ اہالیانِ پاکستان نے بھی ایرانی بھائیوں کی تقلید میں اپنی مملکت میں اسلام کے لیے راہ ہموار کی اور ایرانی انقلاب سے جس طرح شیعیانِ پاکستان متاثر ہوئے ہیں اسی طرح برادران اہلِ سُنت والجماعت بھی اثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔

پارس : ایران سے جانے والا تبلیغی وفد بھی آپ سے ملا یا نہ۔ اگر آپ سے ملاقات ہوئی ہے تو کس موضوع پر گفتگو ہوئی؟

قائدِ ملت : ایران سے جو وفد بھی پاکستان جاتا ہے مجھے شرفِ ملاقات سے نوازتا ہے کیونکہ ہمیں بھی انقلابِ ایران سے اتنی محبت ہے جتنی اہالیانِ ایران کو اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب منزلِ مقصود ایک ہو تو پھر اختلافات جنم ہی نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر آنے والے وفد کی تائید کی۔

شہید : جنابِ والا نے شیعیانِ پاکستان کے لیے بہت جدوجہد کی۔ حتّٰی کہ مشاورتی کونسل سے استعفا بھی دے دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جس کامیابی کی توقع تھی وہ حاصل نہیں ہوئی؟

قائدِ ملت : تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ کے پس منظر سے تو آپ واقف ہیں ہی۔ یہ سمجھنا کہ قطعی کامیابی نہیں ہوئی دُرست نہیں ہے کیونکہ عملاً صرف زکوٰۃ کا نفاذ ہوا ہے اور اس سلسلہ میں حکومت نے شیعہ کو جبری وصولی سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ آئندہ بھی وعدہ کے مطابق ہر قانون میں شیعہ قوم کو برابر کی نمائندگی دینے کی پابند ہے اور اگرچہ خدانخواستہ حکومت نے کسی مقام پر وعدہ خلافی کی تو پھر میدان ہمارے سامنے ہے۔ اپنے حقوق لینے کی خاطر ہم ہر مناسب اقدام کرنے میں آزاد ہیں۔

جہاد : جب حکومتِ پاکستان نے چند اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا ہے اور ان میں فقہ جعفریہ کو بھی برابر کی نمائندگی دی ہے تو پھر آپ کے سفرِ ایران کا کیا مقصد ہے؟ اور آپ ایران میں کن کن علماء سے

اعلام سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں۔

قائدِ ملت: ہمارا مقصدِ اوّلین تو زیارتِ ثامن الائمہ امام رضا علیہ السلام ہے۔ اس کے بعد اولیائِ ایران کو بتوسط مراجع عظام شہدائے انقلاب اور شہدائے جنگ کی تعزیت اور تسلیت ہے اور پھر نفاذِ فقہ جعفریہ میں شیعیانِ ایران کی طرف سے ہماری ہمت افزائی کا شکریہ ادا کرنا مقصود ہے۔

شہید: کیا یہ درست ہے کہ حکومتِ پاکستان اسلام کو اپنے اقتدار کی آڑ بنا کر آگے بڑھ رہی ہے؟ اور ایسی اسلامی حکومتیں آیۃ اللہ العظمیٰ کی نظر میں درست نہیں ہیں۔

قائدِ ملت: ہم نے بھی اس سلسلہ میں حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ایران میں کچھ اختلاف محسوس کیا ہے اور لوٹ کر ہم حکومتِ پاکستان کو اس سلسلہ میں اپنی عرضداشت پیش کریں گے کہ دونوں پڑوسی حکومتوں کا باہمی اختلاف درست نہیں ہے۔

پارس: صدرِ پاکستان کے موجودہ مؤقف کے مطابق کیا آپ کو یہ توقع ہے کہ وہ آپ کی بات سن کر آپ سے کچھ تعاون پر آمادہ ہو جائیں گے۔

قائدِ ملت: ہم بہرصورت اپنا فرض ادا کریں گے اور اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ صدر پاکستان موجودہ مسئلے کے متعلق سوچیں۔

شہید: جب شیعیانِ پاکستان حکومت کو زکوٰۃ دینے کے پابند نہیں رہے تو پھر کیا شیعیانِ پاکستان اپنے مدارس کے لیے سرکاری زکوٰۃ فنڈ سے زکوٰۃ لیں گے۔

قائدِ ملت: پہلے چونکہ حکومت نے بلا کسی اطلاع کے زکوٰۃ وضع کر لی تھی۔ اس لیے شیعیانِ پاکستان نے اپنے دینی مدارس کی خاطر حکومت سے لی تھی۔ اب چونکہ ہم نے بھی حکومت کی طرز پر زکوٰۃ کمیٹیاں قائم کر دی ہیں اور حکومت ہماری زکوٰۃ وضع نہیں کرے گی۔ اس لیے ہمارے پاس اپنی زکوٰۃ ہوگی اور حکومت سے مانگنے یا لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کیہان: پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی خاطر جو تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

قائدِ ملت: ہمارا اپنا نقطہ نظر یہ ہے کہ پاکستان میں صرف وہی اسلامی حکومت پنپ سکے گی جس میں شیعہ اور سنی ہر دو کے عقائد اور فقہ کو مدنظر رکھا جائے۔ ایسی کوئی حکومت جو کسی بھی ایک نظریہ کو سامنے رکھے گی وہ نہ تو کامیاب ہوگی اور نہ ہی اس سے کسی اسلامی مفاد کی توقع کی جا سکتی ہے البتہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی فضا قائم کرے کہ شیعہ سنی اتحاد کی فضا قائم رہے۔

شہید: عراق کی طرف سے ایران پر ٹھونسی گئی جنگ کے متعلق آپ کا مؤقف کیا ہے؟

قائدِ ملت: یہ تو ایک واضح اور کھلی حقیقت ہے کہ اس جنگ میں عراق جارح ہے اور صدام کی



فیضیہ میں پریس کانفرنس سے خطاب فرما رہے ہیں

پالیسیوں اور کردگار نے صدام کا اسلام مشکوک کر دیا ہے اور شیعیانِ پاکستان کی ہر قسم کی ہمدردیاں ملتِ ایران کے ساتھ ہیں۔

شہید: اگر عراق جارح ہے تو کیا شیعیانِ پاکستان نے عراق کی مذمت کی ہے؟

قائدِ ملت: پاکستان میں بسنے والا ہر شیعہ اور سُنی اس حقیقت سے واقف ہے کہ ملت شیعہ کے جملہ ذاکرین کرام اور علمائے عظام کی تقاریر کا موضوع ہی مذمتِ عراق و صدام ہے۔

جہاد: حکومت پاکستان عراق کی حامی ہے یا ایران کی؟

قائدِ ملت: رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند کے مطابق اپنے مؤقف کی وضاحت حکومت خود ہی کر سکتی ہے البتہ پاکستانی عوام کی اکثریت عراق کو جارح سمجھتی ہے۔

شہید: کیا موجودہ اسلامی نظریاتی کونسل سے آپ مطمئن ہیں۔

قائدِ ملت: مطمئن نہیں۔

پارس: اگر حکومت پاکستان اپنی مملکت میں تعزیرات کا نفاذ کرے تو کیا پاکستان میں علمائے شیعہ اپنی تعزیرات پر عمل کریں گے۔

قائدِ ملت: یقیناً انشاء اللہ۔

جہاد: کیا حکومتِ پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت میں کوئی شیعہ نمائندہ لیا ہے جب کہ فقہ حنفی سے دو اور فقہ اہلحدیث سے ایک نمائندہ لیا ہے۔

قائدِ ملت: حکومت نے شیعہ فقہ کا کوئی نمائندہ نہیں لیا اور ہم نے حکومت کو روزِ اوّل مطلع کر دیا تھا کہ چونکہ موجودہ وفاقی عدالت صرف دو مکتبِ فکر یعنی اہلحدیث اور حنفی کی ترجمان ہے اس لیے اس عدالت کا کوئی قانون اور کوئی فیصلہ شیعیانِ پاکستان کے لیے قابلِ قبول نہ ہوگا۔

جہاد: جب حکومت نے نظریاتی کونسل میں اپنی مرضی کے شیعہ نمائندے لیے ہیں کیا اس میں آپ کی کمزوری نہیں؟

قائدِ ملت: یہ تو وقت بتائے گا کہ میری کمزوری ہے یا حکومت کی، ویسے اگر غور کیا جائے تو حکومت کی کمزوری ہے۔

پارس: یہ توقع کس حد تک کی جا سکتی ہے کہ حکومت پاکستان رضا شاہ کی مشابہت پیدا نہیں کرے گی؟

قائدِ ملت: یہ پیش گوئی کرنا تو میرے بس کی بات نہیں۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اگر حکومت نے

دانستہ یا نادانستہ ہمارے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کی تو ہمارے سامنے میدانِ عمل کھلا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

پارس: پاکستان میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اسلام کے مطابق تھی؟

قائد ملت: میں اس میں شامل نہیں تھا۔

بعد میں امام خمینی مدظلہ نے پاکستانی وفد سے خطاب فرمایا۔

خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کون نہیں جانتا کہ سامراج نے عرصۂ دراز سے قلب روئے زمین پر واقع نور خیز اور دولت ریز اسلامی ممالک کو اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑ رکھا ہے۔ ہر ملک ہر علاقہ بلکہ ہر انسان کی فکر میں صرف انہی کا طوطی بولتا ہے۔ پورے عالم ارض کو کھلونا سمجھ کر اپنے اشارۂ ابرو پہ نچانا اور تماشا دیکھنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے

ہر ملک میں وہی شخص برسر اقتدار آتا ہے جسے ان کی امداد حاصل ہو جس نے بھی انہیں ترچھی نگاہ سے دیکھا دوسرے لمحے یا تو اس کا چراغ حیات گُل کر دیا اور یا مسندِ اقتدار نیچے سے کھینچ لی۔ اپنے استعمال کے مہرے انہوں نے پہلے سے تیار کر رکھے ہوتے ہیں اور ان کی شیطانی افکار ان مہروں میں ترتیب بھی دے چکی ہوتی ہیں جب تک دیکھتے ہیں کہ یہ مہرہ مجھے میاؤں کرنے لگا ہے یا اپنے مطلب پر پورا نہیں اترتا، اسے فوراً نو دو گیارہ کر کے اس کی جگہ دوسرا لے کر آجاتے ہیں۔

وہ کون بے ضمیر ہے جو سامراج کے ان ہتھکنڈوں اور اپنی مجبوریوں سے نالاں نہیں لیکن احساس کمتری ہے کہ لیے ڈوبا جا رہا ہے۔ کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن احساس کمتری دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے پھر معاشی اور اقتصادی ناکہ بندیاں ایسی کر دی گئی ہیں کہ اگر کوئی کچھ کرنا بھی چاہے تو معاشی مجبوریاں بیڑیاں بن کر پائے خود کو آگے بڑھنے سے روک دیتی ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح ایران بھی پورے پچاس برس تک کٹھ پُتلی کی طرح ان کے

ہر اشارہ انگشت پر نا چتا رہا۔ تیل ایران کا دولت امریکہ حاصل کرتا ہے۔ نفکہ ایران کی فائدہ امریکہ اٹھاتا ہے سنگِ مرمر ایران کا وہائٹ ہاؤس امریکہ میں جا کر بنتے ہیں۔ تانبا ایران کا میزائل اور راکٹ بنا کر امریکہ بیچتا ہے۔ ایک تومان میں ہم سے خام مال خرید کر کے اسے لیپ پوت کے پھر تومان کے عوض ہمیں بیچتا ہے۔ ہم نے ان کے طریقِ واردات کا مطالعہ کیا تو مجھے دو مقامات نظر آئے جہاں سے شگاف کر کے یہ لوگ اسلام کی چار دیواری میں گھس گھس کر اسے کھوکھلا کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اگر آج بھی ہم نہ سنبھلے تو ہمیشہ نقصان اٹھاتے رہیں گے۔

۱: یونیورسٹی
۲: فرقہ واریت

یونیورسٹی کو ان لوگوں نے دانستہ اور ہم نے نادانستہ استعمال کیا۔ ابتدا میں ہم نے یونیورسٹی کی طرف توجہ نہ دی۔ ہمارے نیک لوگوں نے کہا کہ میاں یہ دنیاداروں کا ادارہ ہے ہمیں اس سے کیا۔ ہم بچوں کو ملازمت تھوڑی کروائیں گے جو اس میں بھیجیں اور ہمارے ہی دوسرے بھائیوں نے نادانستہ اپنے بچوں کو یونیورسٹی میں داخلہ دلوادیا۔ اب نصاب ان لوگوں نے اپنی مرضی کا رکھا ہے۔ ہمارے بچوں کی برین واشنگ ابتدائی مدرسوں میں ہوتی۔ یونیورسٹی تک جاتے جاتے وہ جو کہ اسلام سے پہلے ہی بے بہرہ تھے اب انہیں اسلام سے گھن آنے لگی ہے۔ ادھر ہمارے معاشرہ کے نیک کہلانے والوں نے اپنے بچوں کے لیے دینی مدارس کھلوادیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی تعلیم اور معاشی تعلیم دو جدا راستوں میں بٹ گئی جب یہ دونوں راستے الگ الگ ہو گئے تو یونیورسٹی کے فارغ التحصیل چونکہ صرف اسے علم سمجھنے لگے جیسے انہوں نے یونیورسٹی سے حاصل کیا تھا اور انہیں سبق بھی یہی دیا گیا کہ علم تو صرف یہی ہے جو یونیورسٹی میں پڑھایا جاتا ہے۔ باہر کی دنیا میں سب جہالت ہی جہالت ہے۔ لہٰذا اس طبقہ نے دینی مدارس سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو نرا بے علم اور جاہل سمجھ کر درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔

دوسری طرف دینی مدارس کے تعلیم حاصل کرنے والوں نے جب یونیورسٹی میں اسلامی بے عملی اور کجروی کو دیکھا تو ان لوگوں نے یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور جاہل اور بے دین کہہ کر ٹھکرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سامراج کی جدوجہد سے معاشرہ کے پڑھے لکھے یہ طبقے کسی تعمیری کام کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو جاہل اور بے دین کہنا شروع کر

دیا۔ اسلام اور اس کا ضابطہ حیات دھرے کا دھرا رہ گیا اور مسلمان باہمی پیکار کی ایک نئی راہ پر لگ گئے۔
یہ توڑ لکار دیکھ کر سامراجی اپنے ایوانوں میں بیٹھ کر LET THEM PISE (چھوڑ دو انہیں آپس میں لڑنے دو) کہتے رہے
اور خوشی میں تالیاں بجاتے رہے۔

حالانکہ یونیورسٹی اور دینی مدارس کو ایک جان دو قالب ہونا چاہیئے تھا بلکہ قالب بھی دو نہیں ایک ہونا چاہیئے تھا۔ حق یہ تھا کہ مدرسہ یونیورسٹی ہوتا اور یونیورسٹی مدرسہ ہوتی لیکن عالم اسلام نادانستہ طور پر علم دین اور یونیورسٹی کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ کر بہت بڑا دھوکا کھا بیٹھا۔

پھر ان لوگوں نے دوسرا قدم اٹھایا اور یونیورسٹی کی زبان سے علم دین رکھنے والوں یا علم دین حاصل کرنے والوں کو مکار، خود غرض، شکم پرور، تنگ دل اور تنگ نظر کہلوانا شروع کیا۔ چونکہ معاشرہ کا ربط یونیورسٹی کے افراد سے زیادہ تھا۔ اس لیے لوگوں کی اکثریت علماء سے بیزار اور متنفر ہوتی چلی گئی اور رفتہ رفتہ علماء معاشرہ میں ناقابلِ اعتنا اور لالچی طماع کے نام سے معروف ہو کر رہ گئے۔

فرقہ واریت

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مذاہبِ عالم کی طرح اسلام میں بھی دو بڑے فرقے شیعہ اور سُنی ہیں لیکن کیا ان دونوں میں اتنا بُعد تھا جتنا اب ہے؟ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ یہ بُعد سرورِ کونین ؐ کے فوراً بعد پیدا کرنے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی اور مدینہ سے مدینہ بدر کیے ہوئے یہودیوں اور مباہلہ کے شکست خوردہ عیسائیوں سے جب بزورِ تیغ کچھ نہ ہو سکا تو ملّتِ مسلمہ میں زیرِ زمین ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور بالآخر آج یہ دونوں قوتیں برطانیہ، امریکہ اور روس میں متحد ہو کر خلاف اسلام علمِ بغاوت لیے کھڑی ہیں۔ اگرچہ ہم نے مدینہ بدر کر کے۔ مباہلہ میں شکست دے کر اور صلیبی جنگوں میں انہیں ذلیل کر کے علمِ جہاد لپیٹ دیا ہے لیکن ان لوگوں نے آج تک علم نہیں لپیٹا اور برابر ہمیں کمزور سے کمزور تر کرتی چلی آ رہی ہیں۔ امریکہ کے سرمایہ دار یہودی اور روس کے سوشلسٹ یہودی میں کون سا فرق ہے؟ کوئی فرق نہیں۔ جو کام امریکہ کا سرمایہ دار یہودی کرتا ہے۔ وہی کام روس کا سوشلسٹ یہودی کرتا ہے۔ راہوں کے جدا ہونے سے منزل جُدا نہیں ہوتی اور جو کچھ یہ دونوں کر رہے ہیں وہی کام برطانیہ کا عیسائی کرتا ہے۔ ان کی راہوں کی علیحدگی اور لفظی گیدڑ بھبھکیوں کو مت دیکھو۔ ان کے اعمال کے سنگین نتائج کو دیکھو۔ امریکہ اگر اسرائیل کی وساطت سے یلغار کرتا ہے تو عالمِ اسلام پر اور اگر روس کی فوج بڑھتی ہے تو بھی اسلامی مملکت پر اگر عیسائی ڈپلومیسی کا نشانہ بنتے ہیں تو بھی مسلمان ممالک۔

چنانچہ ان لوگوں نے عالمِ اسلام میں فرقہ واریت کا بیج بو کر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ کہیں شیعہ کو طاقتور بنایا اور کہیں سُنیوں کی پیٹھ ٹھونکی۔

اگر کسی مقام پر شیعہ کو مضبوط کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کی نظر میں شیعہ برحق ہیں اور اگر کہیں سُنیوں کو طاقتور بناتے ہیں تو بھی اس لیے نہیں کہ ان کی نظر میں سُنّی حق پر اور شیعہ غلط راہ پر ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد دونوں کو کمزور کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیعہ، سُنّی کی کمزوری افراد کی کمزوری نہیں بلکہ عالم اسلام کی کمزوری ہے اور یہی سامراج کا مقصد ہے۔

علاج

یونیورسٹی اور علمِ دین کو ایک دوسرے سے جُدا ہونے، محفوظ رکھنے کی تدابیر کرو۔ اپنے بچوں کو یونیورسٹیوں میں ضرور بھیجو لیکن علم دین سے مسلح کرکے اور فرقہ واریت سے بچو لیکن اپنے امتیازات کو باقی رکھ کر۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ان دنوں کرمان کے علاقہ میں زلزلہ آیا تھا۔ قبلہ مفتی صاحب نے زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے تیس ہزار تومان حکومتِ ایران کو دیئے اور قم ومشہد مقدس میں زیرِ تعلیم پاکستانی طلباء میں دس ہزار روپے تقسیم کیے۔

مشہد میں شہداء ایران کو ایصالِ ثواب کے لیے ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں قبلہ مفتی صاحب نے خطاب کیا۔

قائدِ ملّتِ جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب تبلیغی مقاصد کے لیے، دوبئی، انگلینڈ اور افریقہ بھی تشریف لے گئے۔

قبلہ مفتی صاحب ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء تک ادارہ تحفّظِ حقوق شیعہ پاکستان کے صدر رہے اور اپنے فرائض انتہائی خوش اسلوبی و دیانت داری سے انجام دیئے۔

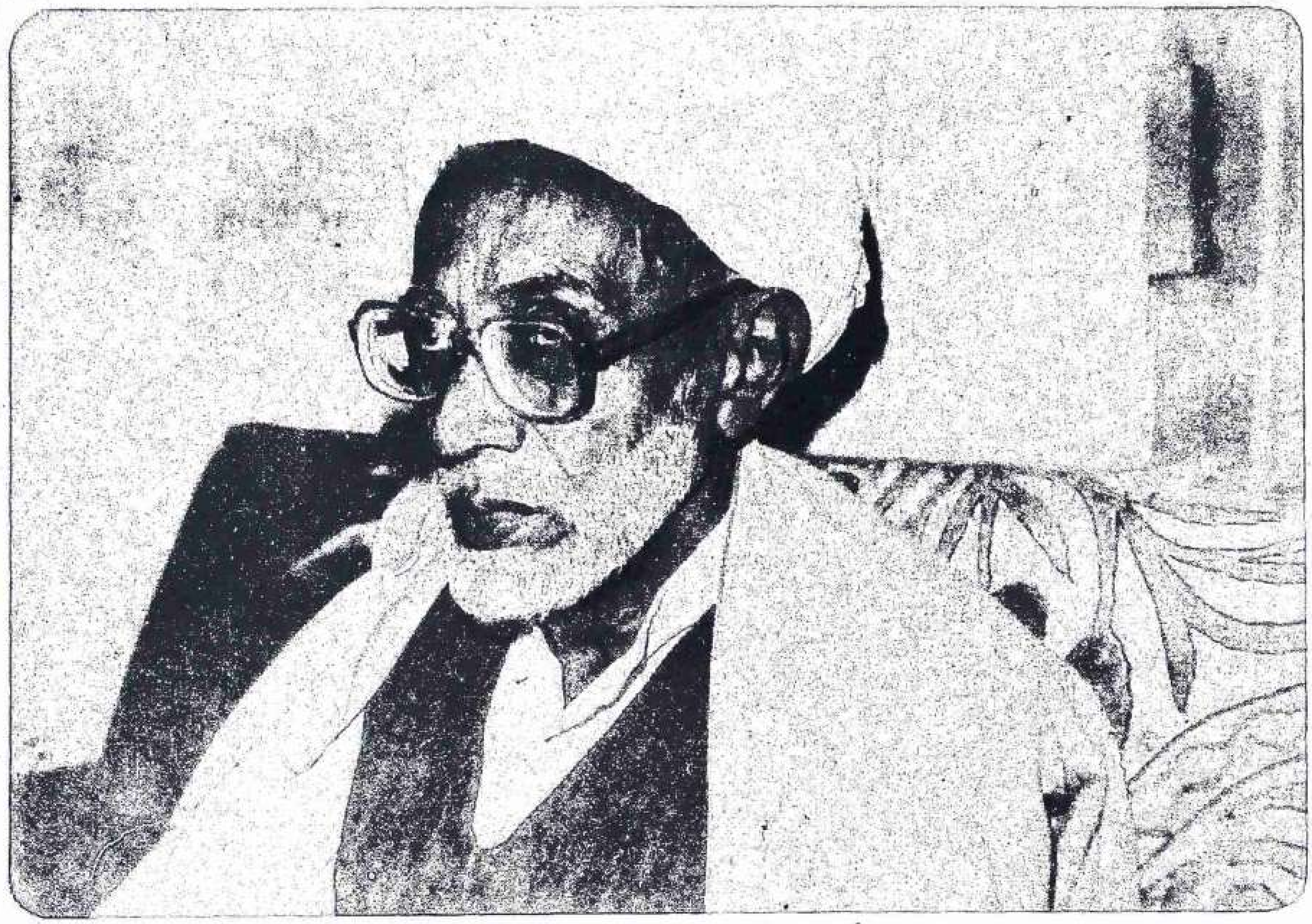
علمی خدمات

آپ نے مستقل سکونت گوجرانوالہ میں اختیار کی اور درس و تدریس اور تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اس کام میں آپ نے صرف زبان کو ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ زبان کے ساتھ تمام اعضاء جسمانی سے کام لیا اپنے برتاؤ، اعمال، رہن سہن خوراک، لباس غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی ہوئی ہر نعمت کو آپ نے اسی کے لیے ہی وقف کر دیا۔ اس کے ساتھ آپ نے چند اہم مذہبی کتب کا ترجمہ و تشریح بھی کی جس میں نہج البلاغہ، "صحیفہ کاملہ"، قابل ذکر ہیں۔ آپ نے "اصول کافی" کا ترجمہ بھی شروع کیا تھا جو مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ آپ نے "سیرت امیر المومنینؑ" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔

نہج البلاغہ" کے حرفِ اوّل میں آپ رقم طراز ہیں۔ "نہج البلاغہ علوم و معارف کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے جس کی اہمیت و عظمت ہر دور میں مسلّم رہی ہے اور ہر عہد کے علماء اد بار نے اس کی بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ صرف ایک ادبی شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت و اخلاق کا سرچشمہ اور معارفِ ایمان و حقائقِ تاریخ کا ایک انمول خزانہ ہے جس کے گوہر آبدار علم و ادب کے دامن کو زرنگار بناتے ہوتے ہیں اور اپنی چمک دمک سے جوہر شناسوں کو محوِ حیرت کیے ہوتے ہیں۔ افصح العرب کے آغوش میں پلنے والے اور آبِ وحی میں دھلی ہوئی زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے بلاغتِ کلام کے وہ جوہر دکھاتے کہ ہر سمت سے فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

فلسفہ و حکمت کے حقائق اور الٰہیات کے دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرنا کہ کلام کی بلاغت بیان کی ندرت اور طرزِ ادا کی لطافت میں کہیں جھول نہ آتے۔ بہت دشوار ہے کیونکہ ہر فن کا ایک خاص لب و لہجہ ہوتا ہے خاص پیرایہ اور خاص طریقہ بیان ہوتا ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ علمی مطالب میں نہ بلیغانہ تعبیرات کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ان میں اعلیٰ معیارِ بلاغت کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ٹھوس حقائق کی وادی اور ہوتی ہے اور بلاغت کا پُربہار چمن اور ہے:

یہ سخن اپنی جگہ بجا ہے لیکن نہج البلاغہ کی تفسیر میں جو پہاڑوں سے آتے ہوتے چشمہ کی سی روانی ہے خوبصورت و موزوں الفاظ کو جس انداز میں موزوں جگہ پر استعمال کیا گیا ہے اور اس انداز میں کہ ترجمہ صرف ترجمہ نہ رہے بلکہ اس میں اصل مضمون کی رُوح بھی موجود ہو۔ یہ قبلہ مفتی صاحب ہی کا خاصہ ہے۔





بابُ مدینۃُ العلم کے فصیح و بلیغ، لذّت و چاشنی، راہنمائی و ہدایت، علم و آگہی سے پُر کلام کا ترجمہ اس انداز میں کہ کلام اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ عربی سے اُردو میں بدل جائے۔ انتہائے کمال ہے۔ باغ کو دیکھ کر کاغذ پر اُس کا عکس ہر مصوّر اتار سکتا ہے۔ لیکن تصویر میں گلشن کی فضا کی خوشبو، تازگی، فرحت اور ہوا کے لطیف جھونکے نہیں سمو سکتا جبکہ مفتی جعفر حسین صاحب نے ایسا کر دکھایا ہے۔ علم و آگہی کے اس خزانہ کو بعین ویسے ہی عوام تک پہنچانے کے۔ باوجود قبلہ مفتی جعفر صاحب کی انکساری ملاحظہ ہو۔

فرماتے ہیں!

" ترجمہ جیسا کچھ بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ میری کوشش تو یہی رہی ہے کہ میرے امکانی حدود تک ترجمہ صحیح ہو لیکن میری کوشش کہاں تک بار آور ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ ارباب علم ہی کر سکتے ہیں میرے صحیح سمجھنے سے یا کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ترجمہ میں اصل کی لطافت و بلاغت اور علوی النطق فصاحت کے جوہر کو سمویا جا سکے تاہم

آبِ دریا را اگر نتواں کشید   ہم بقدرِ تشنگی باید چشید!

نہج البلاغہ کی اس تشریح و ترجمہ کا اسلامی جمہوریہ ایران سے انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

صحیفہ کاملہ کے ترجمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " ہر زبان کے کچھ اصطلاحات، محاورات اور خصوصیات ہوتے ہیں جو اسی زبان میں صحیح معنی و مفہوم کی نقاب کشائی کر سکتے ہیں اور دوسری زبان میں منتقل ہونے سے ان کی صوری و معنوی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں نہ ان میں وہ کیف انگیزی و اثر آفرینی باقی رہتی ہے۔ اور نہ وہ حسن و شکوہ برقرار رہتا ہے اور بہت کم ایسے مواد ہو سکتے ہیں۔ جہاں ایک زبان کا ذوق و اسلوبِ تعبیر دوسری زبان کے ذوق و اسلوبِ تعبیر سے ہم آہنگ ہو اس لیے مترجم کے دسترس سے یہ باہر ہے کہ وہ ترجمہ میں اصل کلام کی تڑپ پیدا کر دے اور اس کے خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے آب و رنگ کو بگڑنے نہ دے۔ اگر کوئی مترجم اپنی مترجمانہ اہلیت و صلاحیت سے کام لے کر ظاہر الفاظ کی عکاسی کر بھی لے تو وہ روح جو لفظوں کی ترکیب و تراتیب اور پیرایۂ بیان میں مضمر ہوتی ہے اس کی تصویر کشی کیسے کر پائے گا۔

گر مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

نہج البلاغہ کی تحریر میں جو لذّت، فرحت و چاشنی ہے جس طرح بحرِ صفحات پر خوبصورت الفاظ کی موجیں پرجوش انداز میں امڈی چلی آ رہی ہیں اور جیسا کہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پر لکھنؤ کے ادب کی چھاپ ہے۔ نہج البلاغہ کی شرح میں صرف لکھنوی ادب کا عکس ہی نہیں بلکہ علوی ادب کا نور بھی ہے اور تحریر میں قوسِ قزح کے رنگوں کی جھلملاہٹ کا موجب جہاں اردو زبان پر مفتی صاحب کا عبور ہے وہیں یہ کلامِ امام کا عطیہ بھی ہے کہ جیسا فصیح کلام عربی زبان میں ذہن میں سمویا۔ ذہنی کمپیوٹر نے اپنی یادداشت میں بھرے ہوتے الفاظ اور اپنی کارکردگی کے مطابق اس کو اردو زبان میں بدل کر کاغذ پر ایک خوبصورت گراف بنا دیا۔

"سیرتِ امیر المومنینؑ" ان کی تیسری کتاب ہے۔ اس کی زبان، اسلوب بیان اور جملے، ان کی ترکیب کا وہ انداز نہیں جو ترجمہ نہج البلاغہ کا ہے اس میں گاڑھی اردو کا سہارا لے کر خوبصورتی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کہیں سادہ زبان کے استعمال سے عام فہم بنانے کی سعی نظر آتی ہے۔

لیکن اس میں کچھ کلام نہیں کہ یہ کتاب تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اور تاریخ اسلامی کے طلباء اس سے خاطر خواہ مستفید ہو سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اس کی ابتداء عدنان ابنِ اددسے کی ہے۔ اور جناب امیرؑ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

علی ابن ابی طالبؑ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصٰی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب، ابن لوی ابن غالب ابن فہد ابن مالک ابن نصر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرک ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان۔

اور اس سلسلے میں قبلہ مفتی صاحب داد کے مستحق ہیں کہ وہ متنازع فیہ مسائل سے اس احتیاط سے گزرے ہیں کہ نہ تو تاریخ کے سامنے ہی شرمندگی اٹھانی پڑے اور نہ ہی کسی فرقہ کی دل آزاری ہو۔ اس کتاب کی یہ صفت بلاشبہ لائقِ ستائش ہے۔

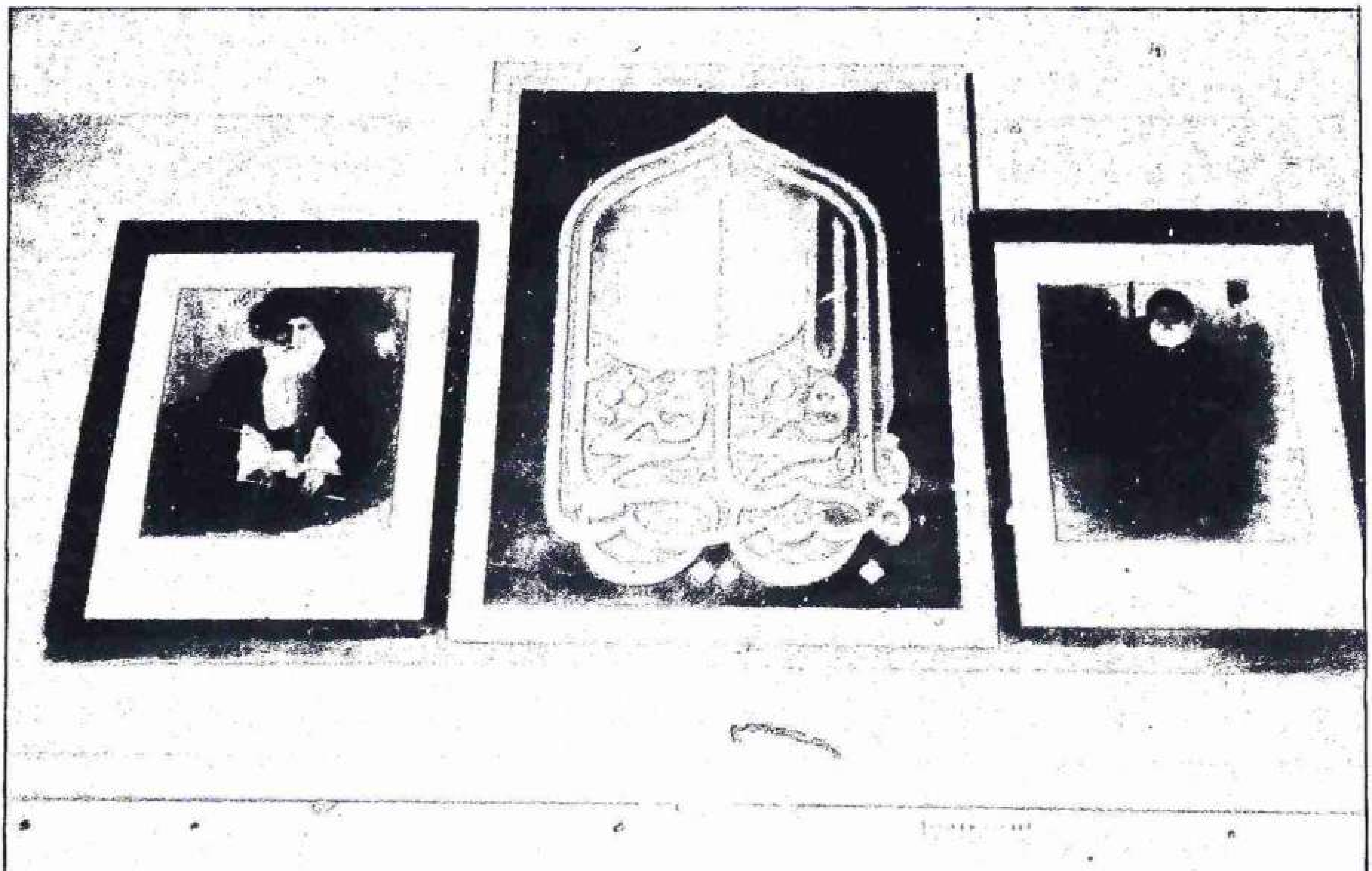
مختلف جرائد و رسائل میں بھی وقتاً فوقتاً آپ کے مقالات شائع ہوتے رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے گوجرانوالہ میں تین ایکڑ اراضی پر جامعہ جعفریہ کی تعمیر شروع کی ہوئی ہے جس میں سکول کی عمارت کا ایک حصہ اور ۲۰ کمروں پر مشتمل ہوسٹل تعمیر ہو چکا ہے۔ اس میں ایک لائبریری بھی ہے۔

اس عمارت پر اب تک تقریباً ۱۸ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں لیکن آپ نے ابھی تک عمومی چندے کی اپیل نہیں کی۔



جامعہ جعفریہ کے دفتر کا ایک منظر



بیماری کے دوران جامعہ سے اپنی غیر حاضری کی بنا پر آپ نے ۳۲ رکنی ہیئت منتظمہ تشکیل دی ہے جس کے صدر شیخ محمد شریف صاحب اور جنرل سیکرٹری ملک فیض بخش صاحب ہیں یہ ہیئت منتظمہ عمارت کی تعمیر اور دوسرے امور کی نگرانی کرے گی۔

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کو ادب سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ آپ کا لکھنؤ کے قیام کے دوران میر انیس مرحوم اور مرزا دبیر مرحوم کے اہل خانہ سے بہت میل جول تھا۔ آپ لکھنؤ کے ادب اور معاشرت سے اتنے متاثر ہیں کہ ٹھیٹھ پنجابی گھرانے کا فرد ہونے کے باوجود انتہائی فصیح و بلیغ اُردو بولتے ہیں اور خود بھی فرماتے ہیں کہ مجھ پر لکھنؤ کے ادب کی چھاپ ہے۔ کلاسیکی اساتذہ کا بیشتر کلام آپ کو زبانی یاد ہے۔ میر انیس اور جوش مرحوم کے بہت مداح ہیں۔ جوش مرحوم کے ساتھ آپ کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

آپ نے اپنی بیماری کے دوران جوش صاحب کے انتقال کی خبر سُنی تو بے ساختہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بعد میں کافی عرصہ تک آپ لوگوں کو جوش مرحوم کا کلام سُناتے رہے۔ آپ خود بھی عربی اُردو اور فارسی میں کافی عمدہ شعر کہتے ہیں لیکن یہ شعر آپ کو بہت پسند ہے اور بہت زیادہ پڑھتے رہے ہیں۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کے اشعار کی میں نے بہت جستجو کی لیکن چونکہ آپ کے اہلِ خانہ آج کل لاہور میں مقیم ہیں اور گوجرانوالہ میں گھر مقفل ہے۔ اس لیے آپ کے بڑے بھائی جناب محمد حسن جعفری کو آپ کا فارسی زبان کا ایک قصیدہ زبانی یاد تھا وہی پیش کر رہا ہوں۔

رُوحی فداک نام تو لیعسُوب حیدر است — ذکرت عبادتی بحدیث پیمبر است
والشمس خوش حکایتی از روی انور است — واللیل خوش کفایتی از موی حیدر است
غیر از محبت تو اگر شگفتہ گلے — گل نیست پیش اہلِ خرد بلکہ نشتر است
از تشنگیِ عرصۂ محشر چہ غم ترا — چون مرتضےٰ بروز جزا میر کوثر است

آپ کے تین عقد ہوتے۔ پہلی بیوی سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں سے بڑی بیٹی بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔ چھوٹی بیٹی کی پیدائش کے بعد آپ کی بیگم کا زیارات سے واپسی کے سفر میں کوئٹہ کے قریب انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئیں۔ مرحومہ کی ۱۷۔ رمضان کو برسی منائی جاتی ہے۔ دوسری بیوی سے چند وجوہات کی بنا پر نباہ نہ ہو سکا۔

آپ کی بیٹی کو دوسری بیوی نے اپنی بچی کی طرح پروان چڑھایا اور کبھی سوتیلے پن کا احساس نہ ہونے دیا۔ ان کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ ایم اے ایجوکیشن اور ایم اے اُردو کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں ایجوکیشن کی لیکچرر مقرر ہو گئیں۔ آپ کی شادی جناب ملک فیض بخش صاحب کے ساتھ ہوئی جس میں قبلہ صفدر حسین نجفی صاحب اور قبلہ حافظ ریاض صاحب نے دُولہا و دلہن کے وکلاء کی حیثیت سے شرکت کی۔

اگست ۱۹۸۱ء میں ملک فیض بخش کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام نکہت رکھا گیا قبلہ مفتی صاحب کو اپنی نواسی سے بہت محبت ہے۔ آج کل عالم بیماری میں بھی اگر کوئی نکہت کو آپ کے کمرے میں لے جاتا ہے تو آپ کے چہرہ پر بشاشت آجاتی ہے اور آپ اپنے لاغر ہاتھ اٹھا کر اس کو گود میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابتدائے مرض

ستمبر ۱۹۸۲ء میں سیالکوٹ میں قیام کے دوران آپ پر نمونیہ کا حملہ ہُوا اور آپ شدید علیل ہو گئے۔ سیالکوٹ میں علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہُوا، پھر آپ گوجرانوالہ تشریف لے آتے اور ڈاکٹر بندے علی صاحب، ڈاکٹر یوسف شاہ صاحب، ڈاکٹر ناگی صاحب اور ڈاکٹر منور صاحب کے زیر علاج رہے۔ اس دوران کبھی آپ تندرست ہو جاتے اور کبھی طبیعت ناساز ہو جاتی۔ یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا۔ لیکن وسط دسمبر میں آپ کو ایک نئی بیماری نے آلیا۔ جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے تو نگلتے وقت حلق میں تکلیف محسوس ہوتی۔ جب تکلیف بڑھنے لگی تو آپ کو لاہور میں ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کے پاس لایا گیا۔ چند روز بعد پروفیسر رشید میاں سے معائنہ کروایا گیا جنہوں نے ایکس رے ٹوموگرافی اور بائی آپسی (طبّی معائنے) کے بعد تشخیص کیا کہ آپ کو پھیپھڑے کا سرطان ہے۔ بقول پروفیسر صاحب کے مرض اتنا بڑھ چکا تھا کہ اگر اب بھی اس کی تشخیص نہ کی جاتی تو چند ہفتوں کے اندر اندر یہ اتنا پھیل جاتا کہ شمع حیات کی لَو تھرتھرانے لگتی، بہرحال یہ ڈاکٹروں کی باتیں ہیں۔ اصل میں زندگی اور موت عطا کرنے



ننھی نکہت جو ہمیشہ کے لیے نانا کی شفقت سے محروم ہوگئی۔

والا تو وہی خالق اکبر ہے۔

سرطان کی تشخیص کے بعد آپ کو میو ہسپتال داخل کرا دیا گیا۔ آپ کے داماد ملک فیض بخش صاحب جو ایک مقامی روزنامہ میں ملازم تھے۔ ملازمت چھوڑ کر مستقل آپ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ ہسپتال میں آپ کے معالج جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ مسعود صاحب ہیں۔ انہوں نے ریڈیو تھراپی اور کیموتھراپی کے ذریعہ آپ کا علاج شروع کیا جس سے پھیپھڑے کے سرطان پر تو قابو پایا لیکن آپ کا ضعف ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتا گیا۔ فاقہ کشی کی پرانی عادت ہنوز جاری تھی۔ خوراک کے معاملے میں وہی لاپرواہی۔ آخر کار ڈاکٹر صاحب نے لندن جانے پر رضامند کر لیا اور ملک فیض بخش صاحب آپ کو لندن لے گئے۔

لندن میں مصطفےٰ گوکل صاحب نے جن سے آپ کی خاندانی دوستی ہے اور وہ آپ کے بہت معتقد ہیں۔ آپ کی بہت دیکھ بھال کی۔ ایک غیر ملک میں وہ جتنی سہولتیں مہیا کر سکتے تھے انہوں نے کیں۔ مفتی صاحب نے (جب ان کے حواس قائم تھے) فرمایا "ہم لوگ ان کے ذاتی طور پر بہت مشکور ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق علاج کے لیے لندن بھیجنے کی ذمہ داری حکومت نے بھی قبول کرنے کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے یہ گوارا نہ کیا اور شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

لندن میں آپ کو پہلے "ویملڈن" میں پارک سائیڈ کلینک میں اور بعد میں کرام ویل روڈ پر کرام ویل ہسپتال میں دکھایا گیا لیکن وہاں کے ڈاکٹر سمتھ نے بتایا کہ سرطان پھیپھڑوں سے بڑھ کر دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اس مرض کا جو علاج لندن میں ممکن ہے وہی پاکستان میں بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو پاکستان لے آیا گیا۔ جہاں آپ پھر میو ہسپتال میں پرانے معالج ڈاکٹر ایس۔ ایم مسعود صاحب کے زیر علاج آ گئے۔

لندن میں آپ کے قیام کے دوران وہاں پر مقیم پاکستانی سفیر جناب علی ارشد مفتی صاحب کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت مفتی صاحب مکمل حواس میں نہ تھے لیکن قائد ملت جعفریہ پاکستان کی حیثیت سے احساس ذمہ داری ان کے لاشعور میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اس عالم میں بھی آپ کے منہ سے جو جملے ادا ہوتے وہ حسب ذیل ہیں۔

"کراچی اور پشاور سے ہمیں خطوط ملے ہیں۔ ہم وہاں کے حالات سے پریشان ہیں حکومت سے کہو کہ ان حالات کا ازالہ کرے" اس کے جواب میں سفیر جناب علی ارشد نے فرمایا کہ "مفتی صاحب نے وہی کہا ہے جو ان کے دل کے قریب تھا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے میں صدر پاکستان کو ضرور پہنچاؤں گا۔"



کسے معلوم تھا کہ آخری بار گھر سے برآمد ہو رہے ہیں



لندن جاتے ہوتے ائیرپورٹ پر

میو ہسپتال لاہور میں ۸۔اگست کو قائم مقام گورنر پنجاب جناب ایف۔ایس۔ لودھی صاحب کے حکم پر سیکرٹری ہیلتھ پنجاب بریگیڈیئر منظور ملک عیادت کے لیے تشریف لائے اور جناب قائم مقام گورنر پنجاب کی جانب سے پھولوں کا گلدستہ پیش کیا اور پوچھا کہ آپ کو کچھ کہنا ہے۔ آپ دھیمے لہجہ میں انتہائی ضعیف آواز میں بات کرتے ہیں جو آپ کے داماد ملک فیض بخش دہرا کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں، اسی انداز میں آپ نے فرمایا۔

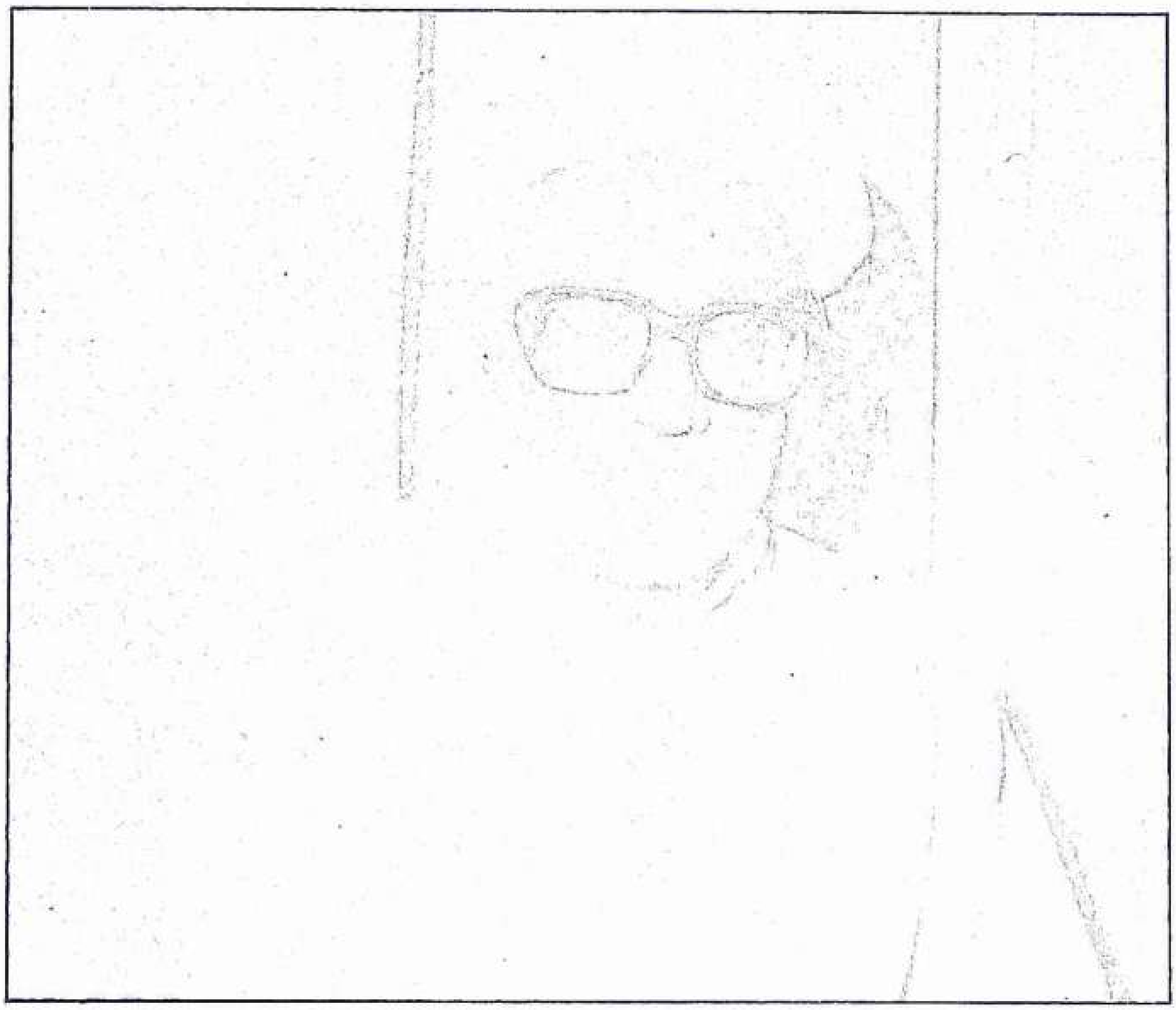
"کراچی اور پاراچنار کے حالات کو درست رکھیں۔ زکوٰۃ وعشر کا ملتِ جعفریہ کے لیے جو فیصلہ ہو چکا ہے اسے برقرار رکھیں۔ پھر فرمایا:

ان مسائل کی طرف توجہ دلانا ہمارا فرض ہے اور ان مسائل کو حل کرنا اُن کا فرض۔

آپ کو پاکیزگی وطہارت کا اس حد تک خیال ہے کہ عالمِ بے ہوشی میں بار بار پانی کا لوٹا طلب کرتے ہیں کہ میں نجس ہو رہا ہوں۔ ۱۰ اگست کو چند احباب آپ کی عیادت کے لیے ہسپتال گئے۔ آپ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اچانک تقریر کے انداز میں فرمانے لگے۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تقویٰ اور اہل بیت میں کیا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اہلِ بیت نہ ہوتے تو تقویٰ کا پتہ ہی نہ چلتا کہ تقویٰ کیا ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد آپ نے پانی منگایا، وضو کیا اور بیٹھے بیٹھے زور سے پکارے "اللہ اکبر" چونکہ آپ کے لیے زیادہ بولنا مُضر ہے اس لیے ڈاکٹر نے آپ کو نیند کا انجکشن لگا دیا۔

کسی شخص کے حالاتِ زندگی قلم بند کرنے کا مطلب ہے کہ اس شخص کی تاریخ تحریر کرنا اور تاریخ کسی فرد واحد کی ہو یا کسی حکومت کی، کسی ملک کی ہو یا کسی قوم کی۔ اگر تاریخ میں دیانت وصداقت سے کام نہ لیا جائے تو وہ تاریخ ایک افسانہ بن کر رہ جاتی ہے، اس لیے میں جہاں مفتی صاحب کے دوستوں سے ملا ہوں وہیں چند مخالفین سے بھی ملاقات ہوئی۔ مخالفین تو انبیاء علیہم السلام کے ادوار میں بھی رہے ہیں۔ مفتی صاحب تو پھر خاکی بندے ہیں۔ ان حضرات کی وجوہ مخالفت جو کچھ بھی ہوں لیکن ایک بات پر مخالفین بھی متفق ہیں کہ بحیثیت ایک مسلمان اور بحیثیت ایک انسان آپ کا کردار بے داغ ومثالی ہے۔
ایک صاحب نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ مفتی صاحب کے گھر گئے ہوئے تھے۔





ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ یہ دونوں حضرات نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو مفتی صاحب نے فرمایا۔ ذرا رُکنا۔ میری صبح کی نماز قضا ہے ذرا وہ ادا کرلوں"۔ وہ صاحب فرمانے لگے کہ میں اس حق گوئی سے اتنا متاثر ہوا کہ اتنے بڑے عالم نے کس فراخ دلی سے اپنی سُستی کا اقرار کیا ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید یہ ظاہر نہ ہونے دیتا کہ کوئی سابقہ نماز واجب الادا ہے۔

مفتی صاحب سُنی و شیعہ اتحاد کے اس حد تک حامی ہیں کہ اکثر اوقات فرماتے رہے ہیں کہ شیعہ اگر داہنی آنکھ کی طرح ہیں تو سُنی بائیں آنکھ کی طرح۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

مفتی صاحب کے ایک دوست جناب شیخ محمد شریف صاحب ریٹائرڈ انکم ٹیکس کمشنر نے فرمایا:

آئمہ معصومین کے کردار کی کچھ جھلک موجودہ دَور میں اگر کسی نے عملی طور پر پیش کی ہے تو وہ مُفتی صاحب کی ذات ہے"۔

علامہ علی الحائری مرحوم سے آخری وقت میں لوگوں نے پوچھا حضور اب ہم کس سے رجوع کریں گے تو آپ نے فرمایا:

"میرے بعد ہندوستان میں مفتی جعفر حسین موجود ہیں"۔

مفتی صاحب کے دل میں ایران سے کتنی محبت وعقیدت موجود ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ راقم الحروف ۱۲ اگست کو ہسپتال گیا۔ مفتی صاحب کچھ حواس میں تھے، میری صورت دیکھتے ہی پکارے" حضرت امام خمینی سے کہو میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے ان چیزوں سے محفوظ رکھے"۔

مفتی صاحب کی رہائش، خوراک، لباس، بات چیت اتنی سادہ ہے اور شخصیت اتنی پُرخلوص ہے کہ ۱۵ اگست کو میں چند تصاویر بنانے کے لیے ان کے گھر گوجرانوالہ پہنچ گیا۔ دروازے کی تصویر بناتی تھی کہ محلے کے بچے آگئے اور مفتی صاحب کے بارے میں پوچھنے لگے۔ کیسے ہیں؟ کب آئیں گے؟ اور پھر چند ہی لمحوں میں تقریباً پورے محلّے نے آکر مجھے گھیر لیا۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے سب ہی مفتی صاحب کی حالت کا سُن کر ان کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگے۔

مفتی صاحب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بیماری کے دوران لاکھوں کی تعداد میں لوگ دُور دُور سے عیادت کے لیے تشریف لاتے۔ مقامی عوام، خواص وعمائدین حکومت کے علاوہ اسلامی جمہوریہ ایران سے آیت اللہ گل پائیگانی، آیت اللہ سید حسن طاہری خرم آبادی، آیت اللہ شیخ محمد فاضل موحدی نے متعدد بار مفتی صاحب کی خیریت دریافت کی۔ لندن جاتے وقت حکومت

اسلامی جمہوریہ ایران نے تمام اخراجات برداشت کرنے کی پیش کش کی تھی۔ اس کے علاوہ پاکستان میں ایران کے سفیر محترم جناب عباس زمانی ابوشریف متعدد بار عیادت کے لیے تشریف لا چکے ہیں۔

ایرانی کونسلیٹ لاہور سے حجۃ الاسلام اکبر یحیی آبادی، کونسلیٹ کے عملہ کے ساتھ خود بھی تشریف لائے اور بار بار ان کی صحت کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔ حکومت پاکستان کی جانب سے قائم مقام گورنر جناب الیس۔ الیف۔ یو۔ لودھی، وفاقی وزیر جناب غلام دستگیر خان، صوبائی وزیر صحت جناب ناصر چیمہ، صوبائی وزیر خزانہ جناب نواز شریف صاحب اور صوبائی سیکرٹری ہیلتھ بریگیڈیئر جناب منظور صاحب عیادت کو تشریف لائے۔ لندن میں پاکستان کے سفیر جناب علی ارشد صاحب اور لندن و برمنگھم کے ممتاز مسلمان و دیگر مذہبی راہنما عیادت کو تشریف لائے۔ ان کے علاوہ جمشید ملک پرسنل سیکرٹری نوابزادہ نصر اللہ خان نے عیادت کا خصوصی پیغام پہنچایا۔ اور مندرجہ ذیل حضرات عیادت کو تشریف لائے۔

ملک معراج خالد، فاروق لغاری، راؤ رشید، شیخ محمد رفیق، میاں احسان الحق، چودھری غلام قادر، جے سالک، ملک حاکمین خان، ملک مختار اعوان، زمان جعفری، چودھری فقیر اللہ، ملک محمد باسط ایڈووکیٹ چوہدری محمد راشد، ملک عبدالحمید اعوان، زاہد اقبال، علما کرام میں سے، علامہ شیخ نصیر حسین صاحب، علامہ شیخ حسین بخش صاحب، علامہ شیخ محمد حسین ڈھکو، علامہ شیخ اختر عباس صاحب، سید صفدر حسین نجفی صاحب، حافظ سید محمد سبطین نقوی صاحب، مولانا سید ابوالحسن صاحب نقوی، مولانا سید امداد حسین شیرازی، مولانا سید مرتضی حسین صدر الافاضل، مولانا مرزا محمد یوسف حسین، مولانا غلام حسین نجفی، مولانا احمد حسن نوری، مولانا ملازم حسین اصغر، مولانا محمد بشیر مولن، مولانا عبدالغفور، مولانا ظفر عباس ہاشمی، مولانا نجم الحسن، مولانا منظور حسین، پروفیسر ظفر حسن ظفر، مولانا ذیشان حیدر، مولانا محمد علی غربی، مولانا محمد اسلم صادقی، مولانا وزیر حید رنجفی، مولانا خادم حسین گھاگھری، مولانا محمد حسین، مولانا محمد عباس مولانا ذوالفقار علی، مولانا گلاب علی شاہ، مفتی عنایت علی شاہ، مولانا ملک اعجاز حسین، مولانا سید رضی جعفر صاحب، مولانا بشیر عباس صاحب، علامہ حسین عارف، مولانا کرامت حسین، مولانا شیخ کرامت علی عمرانی، مولانا امداد حسین، مولانا عبدالکریم مشتاق، مولانا گلفام ہاشمی اور مولانا تاج دین حیدری صاحب ان کے علاوہ ملک بھر سے لاکھوں افراد عیادت کے لیے ہسپتال آ رہے ہیں۔

۲۳ ستمبر کو جامعہ جعفریہ گوجرانوالہ کے مدرس مولانا محمد اسلم مفتی صاحب سے ملنے ہسپتال تشریف لے گئے۔ اس وقت مفتی صاحب کچھ بہتر حالت میں تھے۔ مولانا محمد اسلم نے مفتی صاحب کو بتایا کہ وہ ایران جا رہے ہیں اور ایران جاتے ہی شیخ کرامت صاحب کو اپنی جگہ پر بھیج دیں گے۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔

"جلدی بھیج دیں"۔

مولانا نے پوچھا۔ "قبلہ کوئی اور حکم؟" مفتی صاحب نے فرمایا۔ "کتابیں جلد بھجوائیں"۔
واضح رہے کہ مفتی صاحب اپنے مدرسہ کے لیے چند کتب منگوانا چاہتے تھے۔

یہ آخری الفاظ تھے جو مفتی صاحب کی زبان سے ادا ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا دوران خون خطرناک حد تک کم ہو گیا اور آپ پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جو (۲۵ اگست) ان حروف کے لکھنے تک جاری تھی۔ اس دوران اگر غشی کے عالم میں وہ پکارے بھی تو "فیض"۔ "فیض" کہہ کر دو چار بار پکارے۔

۲۶ راگست بروز جمعہ جناب سید آصف علی کے ساتھ میں ہسپتال گیا تو مفتی صاحب قبلہ اس لحاظ سے ہوش میں تھے کہ آنکھیں کھلی تھیں اور اُنہوں نے مجھے پہچان لیا اور تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد ایک جملہ ادا کیا۔ "ان کو کھانا کھلاؤ"۔

دورانِ خون جو دو روز قبل ۷۰۔ ۴۰ تھا، آج ۹۰۔ ۴۰ تک آگیا تھا۔

بیگم مفتی جعفر حسین صاحب سے میں نے مفتی صاحب کے بارے میں سوال کیا تو ان کی نگاہیں سامنے دیوار پر جم گئیں۔ ان کے چہرہ پر وقتِ رفتہ کے کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ ذہنی طور پر انہوں نے چند لمحوں میں جانے ماضی کے کتنے برسوں کا سفر کیا اور پھر چند جملے فرمائے جو ایک گھریلو عورت کی پوری ازدواجی زندگی کا عکس ہیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا، میں انہیں کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔
ہماری تمام زندگی کبھی کسی قسم کی تلخ کلامی نہیں ہوئی۔ انہوں نے مجھے بہت آرام پہنچایا ہے۔ اتنا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ جب کبھی باہر جاتے تو واپسی کا کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کب واپس تشریف لائیں گے۔ اگر کبھی آکر یہ پوچھتے کہ کیا پکایا ہے اور میں جواب دیتی کہ کچھ نہیں پکایا۔ آپ کا انتظار تھا تو وہ کبھی ناراض نہیں ہوئے بلکہ کہہ دیتے کہ اچھا چینی سے روٹی دے دو یا انڈا بنا دو۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ ہماری زندگی بہت ہی خوشگوار رہی ہے"۔
کھانے میں چاول، مسور کی دال، چنے کی دال، کھچڑی وغیرہ بہت پسند ہے۔ کھانا بہت کم کھاتے ہیں

اکثر حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول دُہراتے رہتے ہیں کہ :

"عورت کو کبھی دل کی بات نہ بتاؤ"۔

بیگم مفتی صاحب نے مزید فرمایا کہ وعدہ کے بہت پابند ہیں۔ جب وعدہ کر لیتے ہیں تو خواہ کسی بھی حالت میں ہوں ضرور پہنچتے ہیں۔ دینی امور سے دلچسپی وعقیدت کا یہ عالم ہے کہ بیماری کے دوران بھی کیمبل پور ایک جلسہ میں تشریف لے گئے اور بیماری کے دوران بھی جب تک چلنے پھرنے کے قابل رہے پابندی سے جامع میں درس دیتے رہے۔

قبلہ مفتی صاحب کی فراست، صداقت، حق گوئی اور بے باکی میں کچھ کلام نہیں اس کا جیتا جاگتا ثبوت وہ انٹرویو ہے جو انہوں نے بستر علالت سے ایک مقامی روزنامہ کو دیا تھا اور مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کو شائع ہو چکا ہے۔

انٹرویو

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قائد علامہ مفتی جعفر حسین نے کہا ہے کہ ایم آر ڈی پنجاب کے لیڈر راؤ عبدالرشید سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ اور انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لئے انہیں اپنے تعاون اور امداد کا یقین دلایا تھا۔ گوجرانوالہ میں اپنے مکان پر "جنگ" سے ایک خصوصی ملاقات میں انہوں نے کہا کہ مسٹر خاقان بابر نے اس ضمن میں جو بیان دیا ہے۔ میں اس کی تردید کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ بیان دے کر زیادتی کی ہے اس سوال کے جواب میں کہ آیا راؤ عبدالرشید سے آپ کی گفتگو ایم آر ڈی کے حوالہ سے ہوئی تھی۔ مفتی جعفر حسین نے کہا کہ خاص ایم آر ڈی کے حوالہ سے تو کوئی بات نہیں ہوئی تھی لیکن جمہوریت کی بحالی۔ اور مارشل لاء کے خاتمہ کی بات ہوئی تھی۔ اور میں نے کہا تھا کہ ہم ہر اس جماعت کی حمایت کریں گے، جو ملک میں جمہوریت کے لیے کام کرے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ شیعہ فرقہ کی طرف سے ۱۴ اگست کی تحریک میں کوئی رکاوٹ نہیں

ڈالی جائے گی۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جمہوریت کی بحالی کے لیے کی جانے والی ہر جد وجہد کو ہماری حمایت حاصل ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ شیعہ کانفرنس کے صدر کی اس تجویز کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے کہ زکوٰۃ اور عُشر کے سوال پر کوئی افہام وتفہیم ممکن نہیں اور اس ضمن میں ایسے اختلافات موجود ہیں جن کا کوئی حل موجود نہیں۔ ہمارے ہاں زکوٰۃ چند مخصوص چیزوں پر عائد ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری فقہ میں ایسا نہیں ہے زکوٰۃ کی تقسیم کے طریق کار پر بھی ہمیں اختلاف ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ حکومت کو زکوٰۃ دینا جائز بھی ہے یا نہیں۔ ہم حکومت کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ آپ موجودہ حکومت کو زکوٰۃ دینا دُرست نہیں سمجھتے یا علی الاطلاق آپ کسی بھی حکومت کو اس کا حق نہیں دیتے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا ہم کسی ایسی حکومت کو زکوٰۃ لینے کا مجاز نہیں سمجھتے جو شیعہ نہ ہو اور عادل نہ ہو۔ اس لیے ہم موجودہ حکومت کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ہمیں اور بھی اعتراضات ہیں۔

ہمارے اور اہلِ سُنّت والجماعت کے ہاں اصُول یہ ہے کہ زکوٰۃ اموال ظاہرہ پر لی جا سکتی ہے۔ اموال باطنہ پر نہیں، روپیہ چونکہ اموال باطنہ میں شامل ہے۔ لہٰذا حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس پر زکوٰۃ لے۔ اس طرح بینکوں میں جمع رقم سے کاٹی جاتی ہے جس پر سُود دیا جاتا ہے اس کے برعکس اس سے نہیں کاٹی جاتی جس پر سُود نہیں دیا جاتا یعنی کرنٹ اکاؤنٹ۔ یہ زکوٰۃ درحقیقت سُود میں سے کاٹی جاتی ہے۔ جس پر ہمیں اعتراض ہے۔ تقسیم کا طریق کار بھی قابلِ اطمینان نہیں۔ ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ بعض مقامات پر چیئرمین اور دُوسرے ارکان بددیانتی کرتے ہیں اور بھی بہت سے پہلو غیر اطمینان بخش ہیں۔ اس لیے ہم زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ ہماری فقہ میں شیعہ کی زکوٰۃ صرف شیعہ کو دی جا سکتی ہے۔ زکوٰۃ سادات کو بھی نہیں دی جا سکتی۔

عشر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی جعفر حسین نے کہا کہ حکومت صرف سرکاری زمین پر عُشر لے سکتی ہے۔ نجی ملکیت کی زمین پر حکومت کو عشر لینے کا کوئی حق نہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ عشر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور

وہ نجی ملکیت سے بھی لی جاتی ہے ۔ تو انہوں نے جواب دیا ہمارے ہاں ہر پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ جو ۔ گیہوں ، خرمہ اور انگور پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ سوال کیا گیا کہ کیا شیعہ حکومت نجی ملکیت کی زمین پر عشر لینے کی مجاز ہے ، تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ۔ اور ایران میں موجودہ حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لے رہی ۔ صرف ایران کی بات نہیں سعودی عرب میں بھی حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لیتی ۔ لوگ خود دیتے ہیں ۔ اس مرحلہ پر مفتی صاحب سے یہ دو ٹوک فیصلہ کیا گیا کہ کیا آپ کی رائے میں ایک اسلامی حکومت زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مجاز ہے یا نہیں ۔ مفتی صاحب نے جواب دیا ۔ جی نہیں ۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر حکومت عادل نہیں ہے تو اسے کیا حق پہنچتا ہے ۔ اس کے لیے حکومت کا عادل ہونا ضروری ہے ۔ سوال کیا گیا کہ ایران میں تو حکومت عادل ہے ۔ وہاں بھی وہ آپ کے بقول نہیں لے رہے ۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ہاں نہیں لے رہے ۔ وہاں انقلاب سے پہلے انفرادی ادائیگی کا جو نظام تھا ۔ وہ قائم ہے ۔

مُفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کے اور حکومت کے درمیان اسلام آباد میں جو معاہدہ ہوا تھا ۔ اسکی پابندی کس حد تک ہوئی ہے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ حکومت نے بڑی حد تک اس کی پابندی نہیں کی ۔ زکوٰۃ کے مسئلہ پر پابندی کی ۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ کہدیا کہ ہر سال ایک فارم داخل کرو ۔ یہ ایک بڑی تکلیف دہ بات ہے اسکے علاوہ حدود و تعزیرات اور عشر کا مسئلہ ہے ۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ جو بھی قانون بنے گا اس میں شیعہ مسلک کا خیال رکھا جائے گا ۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا ۔ اسلامائزیشن کے مقاصد اور اثرات کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اس کے اثرات نظر نہیں آرہے ۔ یہ جو کہا جارہا ہے کہ یہ اسلام ہے تو ہم اسے صحیح اسلام تسلیم نہیں کرتے ۔ ہم ان کی طرف سے عائد کردہ زکوٰۃ کو صحیح اسلامی ٹیکس کہنے کے لیے تیار نہیں ۔ ہمیں حدود آرڈیننس پر بھی اعتراض ہے ۔ اس کی تجویز کردہ سزاؤں پر اور اس کے طریق کار پر ۔ مسجد سے ایک گھڑی چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہوا ہے ۔ حالانکہ اہلسنت اور شیعہ کے ہاں اس چوری پر سزا دی جاتی ہے ۔ جو چار

دیواری کے اندر ہو۔ مسجد یا گزرگاہ پر چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس طرح بدکاری کے الزام میں ایک آدمی کی گواہی پر سنگساری کی سزا سُنا دی گئی ہے۔ ہم اسے اسلامی سزا نہیں کہہ سکتے۔

ایک اور سوال کے جواب میں مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اسلام میں مارشل لاء کی کوئی گنجائش نہیں اور جو حکومت اسلامی نہیں اس کے اقدامات کس طرح اسلامی ہو سکتے ہیں۔ کراچی کے واقعات کے بارے میں شیعہ رہنما نے کہا کہ وہاں حکومت مناسب احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کر سکی۔ وہ ایسا کرتی تو کچھ نہ ہوتا۔ مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آیا شیعہ سُنّی فقہی اختلافات کا کوئی حل ہے۔ کوئی ایسا حل جس سے نفاذِ اسلام کا عمل آسان ہو جائے۔ اور کشیدگی باقی نہ رہے۔ انہوں نے جواب دیا اختلاف طبعی چیز ہے۔ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کی فقہ کو تو کوئی قبول نہیں کریگا اس کا حل یہ ہے کہ ہم اپنی فقہ پر عمل کریں۔ دوسرے اپنی فقہ پر عمل کریں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پبلک لاء اکثریت کی فقہ کے مطابق بنانا درست نہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ سیاست کی باتیں ہیں۔ دین کے معاملے میں اقلیت، اکثریت کوئی معنی نہیں رکھتی یہاں کسی کو دوسرے کی فقہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں بتایا گیا کہ ایران میں چونکہ شیعوں کی اکثریت ہے اس لیے وہاں فقہ جعفریہ نافذ ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا وہاں بلاشبہ فقہ جعفریہ نافذ ہے اور دوسری فقہ کے ماننے والے بھی ہیں لیکن کسی نے مطالبہ نہیں کیا کہ ہماری فقہ بھی نافذ کی جائے۔

سکولوں میں اسلامیات کے بارے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ الگ الگ ہونا چاہیئے۔ شیعوں کے لیے شیعہ دینیات اور سُنّیوں کے لیے سُنی دینیات، اگر دونوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے تو وہ کبھی دینیات نہیں رہے گی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا اس سے پاکستانی بچّوں کے اندر شروع ہی سے فرقہ وارانہ احساسات پیدا نہیں ہو جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ شیعہ بچہ شیعہ ہے اور شیعہ ہی رہے گا سُنّی بچّہ سُنی ہے اور وہ سُنّی ہی رہے گا۔ یہ کوئی بری بات نہیں۔

وہ نجی ملکیت سے بھی لی جاتی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہمارے ہاں ہر پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جو۔ گیہوں، خرمہ اور انگور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سوال کیا گیا کہ کیا شیعہ حکومت نجی ملکیت کی زمین پر عشر لینے کی مجاز ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اور ایران میں موجودہ حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لے رہی۔ صرف ایران کی بات نہیں سعودی عرب میں بھی حکومت زکوٰۃ یا عشر نہیں لیتی۔ لوگ خود دیتے ہیں۔ اس مرحلہ پر مفتی صاحب سے یہ دو ٹوک فیصلہ کیا گیا کہ کیا آپ کی رائے میں ایک اسلامی حکومت زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مجاز ہے یا نہیں۔ مفتی صاحب نے جواب دیا۔ جی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر حکومت عادل نہیں ہے تو اسے کیا حق پہنچتا ہے۔ اس کے لیے حکومت کا عادل ہونا ضروری ہے۔ سوال کیا گیا کہ ایران میں تو حکومت عادل ہے۔ وہاں بھی وہ آپ کے بقول نہیں لے رہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ہاں نہیں لے رہے۔ وہاں انقلاب سے پہلے انفرادی ادائیگی کا جو نظام تھا۔ وہ قائم ہے۔

مُفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کے اور حکومت کے درمیان اسلام آباد میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ اسکی پابندی کس حد تک ہوئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حکومت نے بڑی حد تک اس کی پابندی نہیں کی۔ زکوٰۃ کے مسئلہ پر پابندی کی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ کہدیا کہ ہر سال ایک فارم داخل کرو۔ یہ ایک بڑی تکلیف دہ بات ہے اسکے علاوہ حدود تعزیرات اور عشر کا مسئلہ ہے۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ جو بھی قانون بنے گا اس میں شیعہ مسلک کا خیال رکھا جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اسلامائزیشن کے مقاصد اور اثرات کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اس کے اثرات نظر نہیں آرہے۔ یہ جو کہا جارہا ہے کہ یہ اسلام ہے تو ہم اسے صحیح اسلام تسلیم نہیں کرتے۔ ہم ان کی طرف سے عائد کردہ زکوٰۃ کو صحیح اسلامی ٹیکس کہنے کے لیے تیار نہیں۔ ہمیں حدود آرڈیننس پر بھی اعتراض ہے۔ اس کی تجویز کردہ سزاؤں پر اور اس کے طریق کار پر مسجد سے ایک گھڑی چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ حالانکہ اہلسنّت اور شیعہ کے ہاں اس چوری پر سزا دی جاتی ہے۔ جو چار

دیواری کے اندر ہو۔ مسجد یا گزرگاہ پر چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس طرح بدکاری کے الزام میں ایک آدمی کی گواہی پر سنگساری کی سزا سُنا دی گئی ہے۔ ہم اسے اسلامی سزا نہیں کہہ سکتے۔

ایک اور سوال کے جواب میں مفتی جعفر حسین نے کہا کہ اسلام میں مارشل لار کی کوئی گنجائش نہیں اور جو حکومت اسلامی نہیں اس کے اقدامات کس طرح اسلامی ہو سکتے ہیں۔ کراچی کے واقعات کے بارے میں شیعہ رہنما نے کہا کہ وہاں حکومت مناسب احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کر سکی۔ وہ ایسا کرتی تو کچھ نہ ہوتا۔ مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ آیا شیعہ سُنّی فقہی اختلافات کا کوئی حل ہے۔ کوئی ایسا حل جس سے نفاذِ اسلام کا عمل آسان ہو جائے۔ اور کشیدگی باقی نہ رہے۔ انہوں نے جواب دیا اختلاف طبعی چیز ہے۔ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کی فقہ کو تو کوئی قبول نہیں کریگا اس کا حل یہ ہے کہ ہم اپنی فقہ پر عمل کریں۔ دوسرے اپنی فقہ پر عمل کریں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پبلک لار اکثریت کی فقہ کے مطابق بنانا درست نہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ سیاست کی باتیں ہیں۔ دین کے معاملے میں اقلیت، اکثریت کوئی معنی نہیں رکھتی یہاں کسی کو دُوسرے کی فقہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں بتایا گیا کہ ایران میں چونکہ شیعوں کی اکثریت ہے اس لیے وہاں فقہ جعفریہ نافذ ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا وہاں بلاشبہ فقہ جعفریہ نافذ ہے اور دوسری فقہ کے ماننے والے بھی ہیں لیکن کسی نے مطالبہ نہیں کیا کہ ہماری فقہ بھی نافذ کی جائے۔

سکولوں میں اسلامیات کے بارے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ الگ الگ ہونا چاہیئے۔ شیعوں کے لیے شیعہ دینیات اور سُنّیوں کے لیے سُنّی دینیات، اگر دونوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے تو وہ کبھی دینیات نہیں رہے گی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا اس سے پاکستانی بچوں کے اندر شروع ہی سے فرقہ وارانہ احساسات پیدا نہیں ہو جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ شیعہ بچہ شیعہ ہے اور شیعہ ہی رہے گا۔ سُنّی بچہ سُنی ہے اور وہ سُنّی ہی رہے گا۔ یہ کوئی بُری بات نہیں۔

گورنر صاحب نے بھی بات کی تھی، ان کے کہنے سے ڈاکٹر مجھے دیکھنے کے لیے آتے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ مفتی صاحب چند ماہ سے صاحب فراش ہیں اور بہت کمزور ہو چکے ہیں لیکن علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے "جنگ" کو یہ طویل انٹرویو دیا۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء)

مفتی جعفر حسین صاحب کے داماد ملک فیض بخش جو دن رات مفتی صاحب کی خدمت کے لیے ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں اور مسلسل کئی شبوں کی نیند نہ لینے کی بنا پر جن کا چہرہ کملا گیا ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔ سے میں نے کہا کہ آپ اتنی محنت کر رہے ہیں۔ کچھ اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں صرف اپنے سسر ہی کی خدمت نہیں کر رہا بلکہ قائد ملتِ جعفریہ کی خدمت کر رہا ہوں جو میرا دینی فریضہ ہے اور دینی فریضہ کی ادائیگی میں دکھ، سکھ میں اور تکلیف عین راحت میں بدل جاتی ہے۔

انہوں نے فرمایا۔ "میں مفتی صاحب کے زہد و تقوی سے بہت متاثر ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تن، من، دھن سے ان کی خدمت کروں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت بخشی ہے کہ ان کی خدمت کا موقع ملا۔

قبلہ مفتی صاحب نے ملتِ جعفریہ کے حقوق کی دیکھ بھال کے لیے ۲۱ رکنی ایک کمیٹی بیماری کے دوران ہی تشکیل دے دی تھی۔ جن کے اسماء گرامی کا اعلان مفتی صاحب کی نصیحت کے مطابق بعد میں کیا جائے گا۔

بروز ہفتہ ۲۰۔ اگست ۸۳ کو رات ۸ بج کر ۳۵ منٹ پر مفتی صاحب نے قوم کے لیے پیغام دیا وہ کئی روز سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ شاید وہ کوئی طویل پیغام دینا چاہتے ہوں۔ انہوں نے کئی بار اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور بولنے کی کوشش کی۔ جب نہ بول سکے تو حسرت بھری نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھا۔ پھر دوبارہ قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اسی طرح متعدد بار ہوا اور میں بھی ہر ملاقات میں سوال کرتا "قبلہ قوم کے لیے کوئی حکم ہے" لیکن وہ بس ٹک ٹک مجھے دیکھتے رہتے۔ ایک روز انہوں نے بمشکل فرمایا۔ "میں لکھاؤں گا۔"

لیکن ہفتہ کو جب انہوں نے دیکھا کہ زبان ساتھ نہیں دے رہی تو نزدیک بیٹھے ہوئے شیخ محمد شریف صاحب کی طرف اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے جلدی سے ہاتھ تھام لیا۔ مفتی صاحب نے مقدور بھر مضبوطی سے ان کا ہاتھ تھام کر تھوڑا سا ہلایا اور میری طرف دیکھا۔ پھر ملے ہوئے ہاتھوں پر نگاہ کی۔ پھر میری طرف دیکھا۔ پہلے تو میں کچھ نہ سمجھا۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا میرے منہ سے بے ساختہ یہ جملے ادا ہوئے۔ " قبلہ قوم کو اتحاد و یگانگت کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ ان کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ آئی اور سر ملا کر اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے تقریباً تین یا چار بار شریف صاحب کے ہاتھ کو ہلا کر اتحاد کے پیغام کو پُر زور بنایا : اور جب انہوں نے دیکھ لیا کہ میں ان کا مافی الضمیر سمجھ گیا ہوں تو بولے۔ " سونا۔ یعنی وہ سونا چاہتے تھے۔ پھر ہم سب لوگ ان کے کمرے سے باہر نکل آتے۔

قائد ملت جعفریہ کا بستر علالت سے دیا گیا یہ پیغام قوم تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ میں خود اپنی بساط بھر کوشش کروں گا اور آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ جس جس سے آپ ملیں، زبانی و عملی طور پر " اتحاد ! کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ قریہ قریہ، گوشہ گوشہ، ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پروردگارِ عالم ہمیں اپنے قائد کے اس حکم پر، جو کہ حکم قرآنِ پاک بھی ہے۔

" وَاعتصِموا بِحبلِ اللہِ جَمیعاً وَلا تفرّقوا۔

اور حکم خاتم المرسلین بھی۔ اور یہی حکم امام خمینی کا بھی ہے۔
فرماتے ہیں :
" جو شیعہ اور سُنی میں تفرقہ ڈالے وہ نہ شیعہ ہے نہ سُنی "۔
یہی پیغام علامہ اقبال کا بھی ہے۔

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

اس انداز میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے کہ مفتی جعفر حسین رُوبہ صحت ہو کر اپنی آنکھوں سے پاکستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک وحدت بین المسلمین ایسا فقید المثال مظاہرہ دیکھیں کہ یہ اتحاد دُنیا بھر کے لیے شمع ہدایت بن جاتے۔

آمین ثم آمین

۲۹۔ اگست پیر کی صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا اور اسلامیانِ پاکستان کا شمس العلم غروب ہونے لگا۔ ساڑھے پانچ بجے یہ سورج غروب ہو گیا۔ لیکن ابھی شفق کی سُرخی باقی تھی حتیٰ کہ چھ بج گئے اور.....

علّامہ مُفتی جعفر حسین انتقال فرما گئے

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجعُون



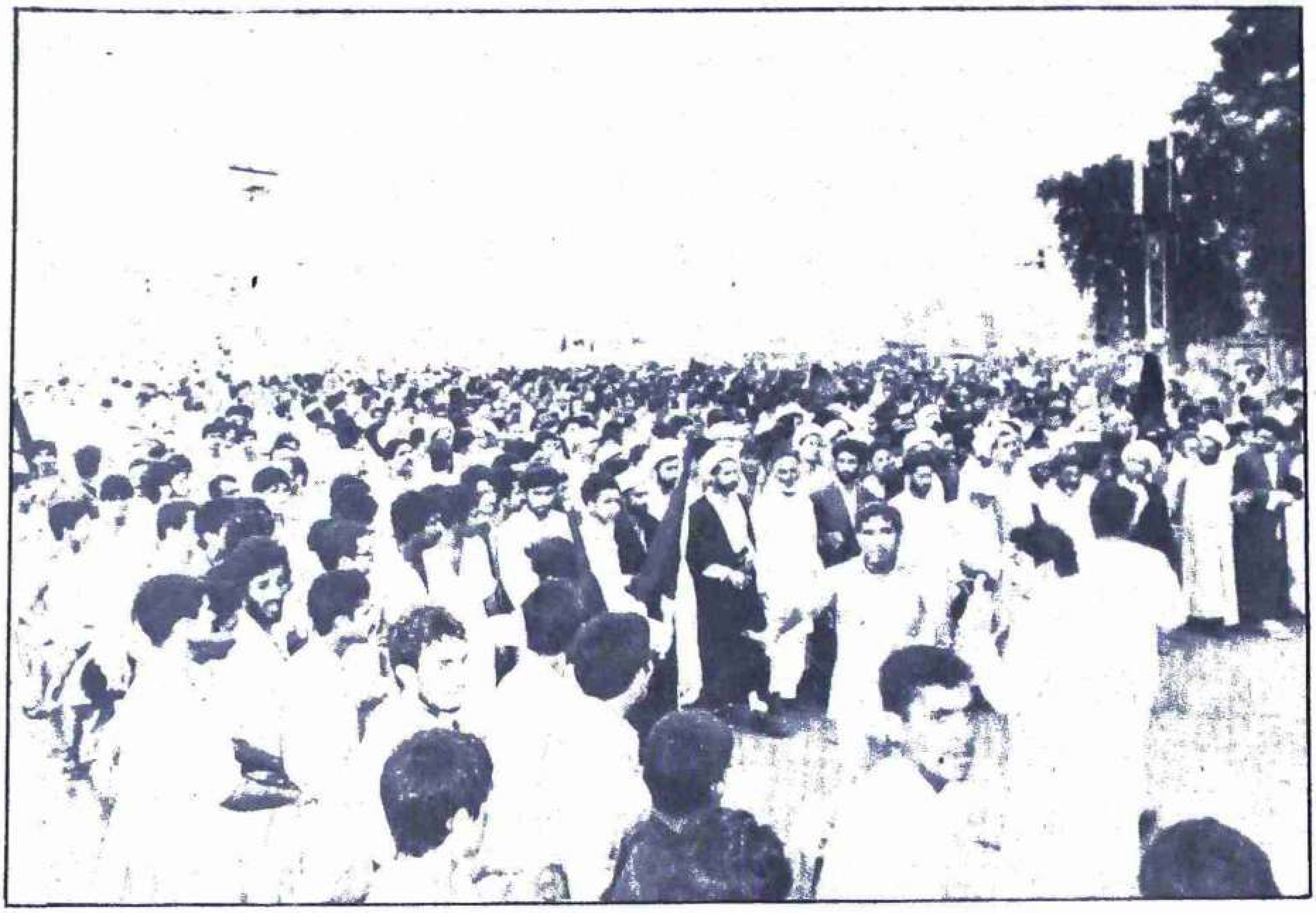


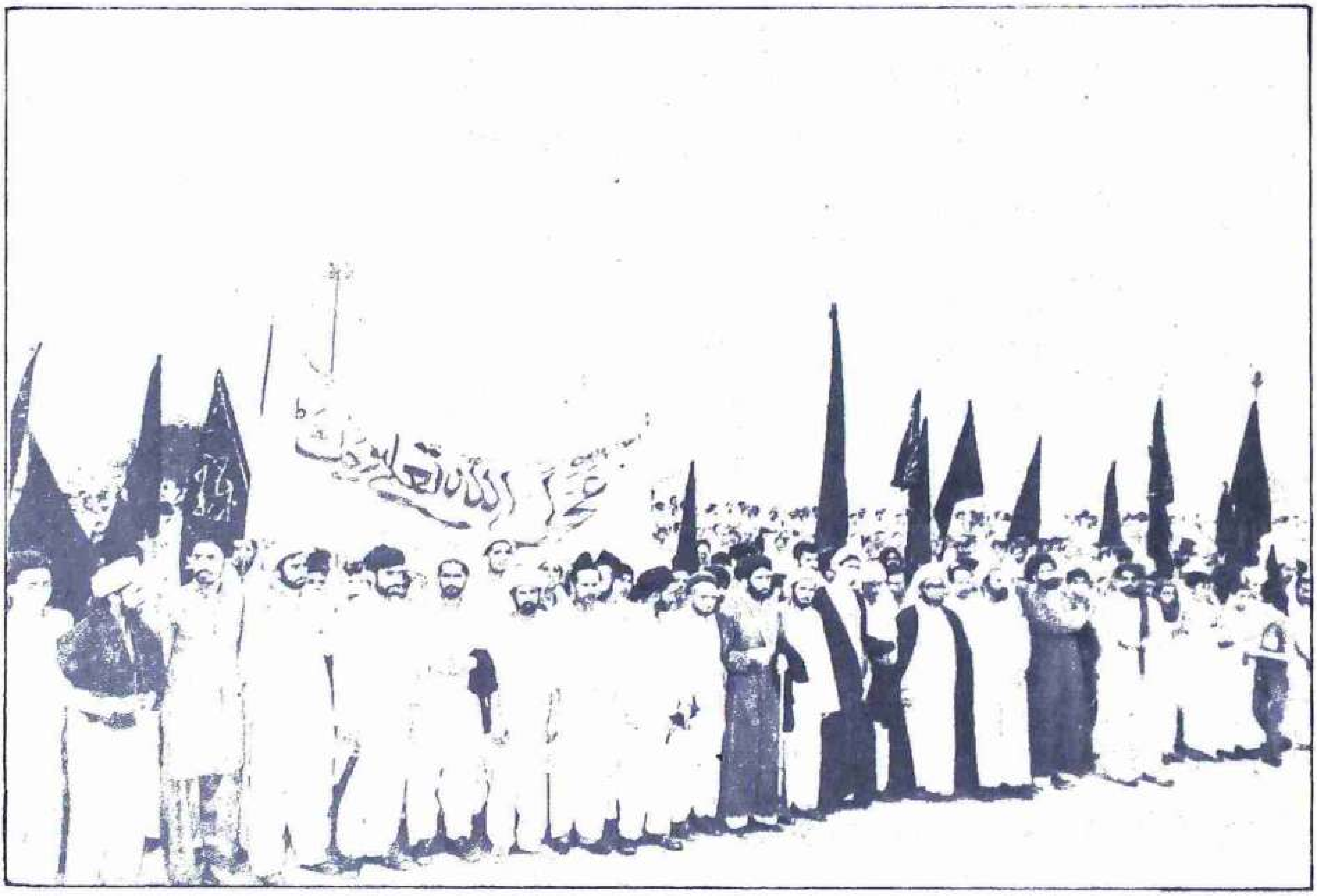
یہ دروازہ آج بھی قبلہ مفتی صاحب مرحوم کے انتظار میں کھلا ہے

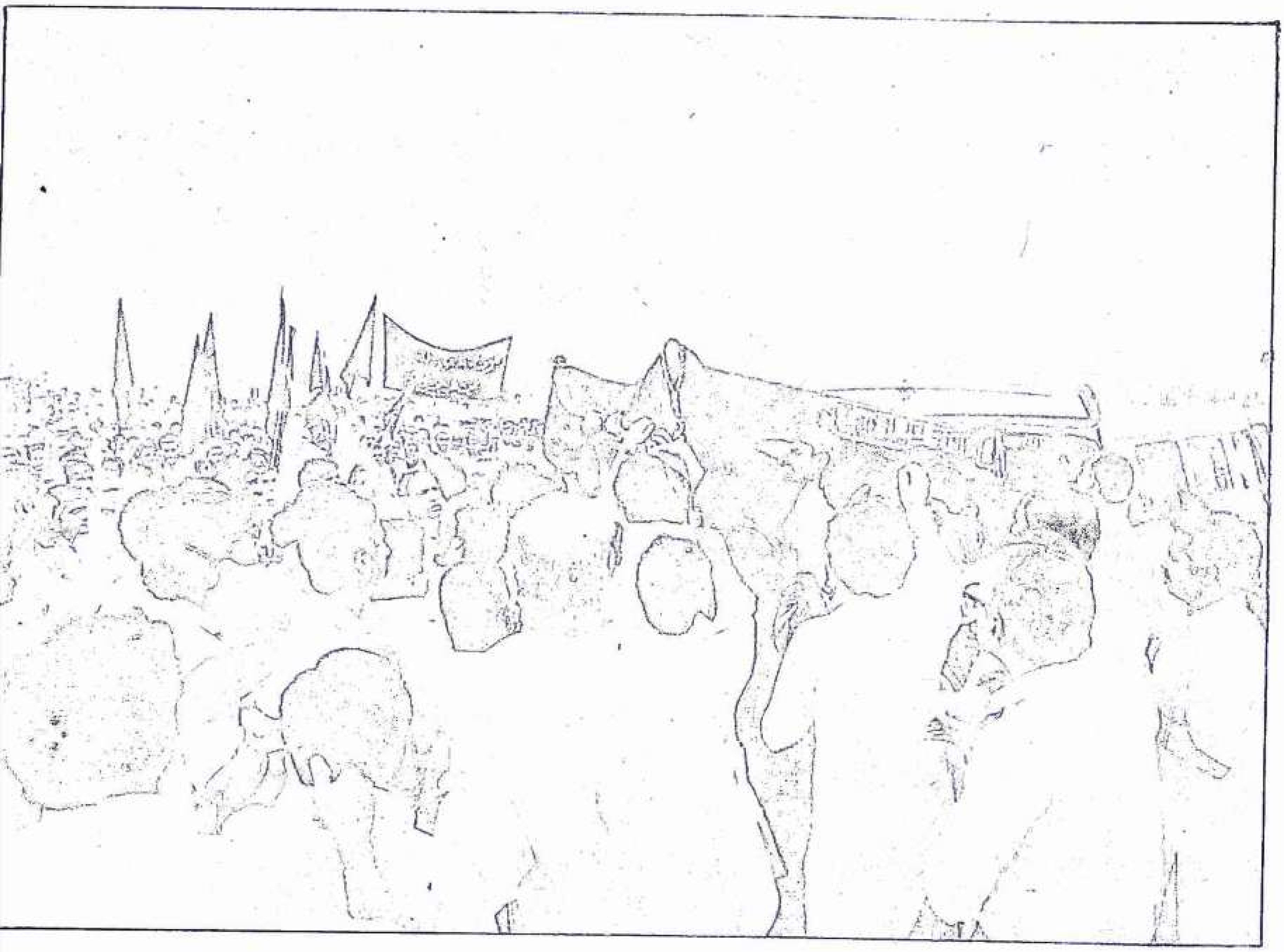
آہ —— آج ہمارا قائد ہم سے رُوٹھ گیا۔ ہمیں تنہا چھوڑ گیا۔ وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ گیا۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ حیران ہوں اہلِ خانہ مفتی صاحب مرحوم کو پُرسہ دُوں یا ملتِ جعفریہ کو۔ یا خود اپنے آپ کو۔ اس وقت دل میں ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں پلکوں پر موتی جھلملا رہے ہیں۔ ہاتھوں میں قلم تھامنے کی بھی قوت نہیں رہی۔ میں سوچ رہا تھا۔ یہ کتاب قبلہ مفتی صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کروں گا —— وہ خود کئی بار اشارے سے کتاب کے متعلق استفسار کرتے رہتے تھے لیکن میں جتنی تیزی سے کام مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقدیر اسے میری حماقت سمجھ کر قہقہے لگا رہی تھی میری حسرت دل میں رہ گئی —— اے اہالیانِ وطن عزیز —— میں آپ کو پُرسہ دیتا ہوں۔ آج —آج ہم یتیم ہو گئے —— آہ —— میرے بھائی فیض بخش۔ تم نے ساری ساری رات، سارا سارا دن مفتی صاحب کی خدمت کرتے گزار دیا۔ لیکن تمہاری محنت راس نہ آئی۔ تمہارے دل پر اس وقت جو گزر رہی ہے اس کیفیت کے متوازن الفاظ لغت میں موجود نہیں ہیں۔ میرے بھائی محمد حسین جعفری صاحب آج آپ کا ایک بازو جُدا ہو گیا۔ میرے بزرگ محمد شریف صاحب۔ آج آپ کا چالیس برس کا ساتھ چھُوٹ گیا۔ شائق انبالوی صاحب آپ کا دوست چلا گیا۔ قربان علی صاحب۔ آپ کے بزرگ رخصت ہو گئے۔ گل محمد، اعجاز بھیا آپ کے پھوپھا مر گئے۔ میں سب کو پُرسہ دے سکتا ہوں لیکن —مرحوم کی یتیم بیٹی اور بیوہ کو —نہیں —معصوم نگہت کو نہیں —نہیں —ہمت نہیں —— حوصلہ نہیں ہے ——

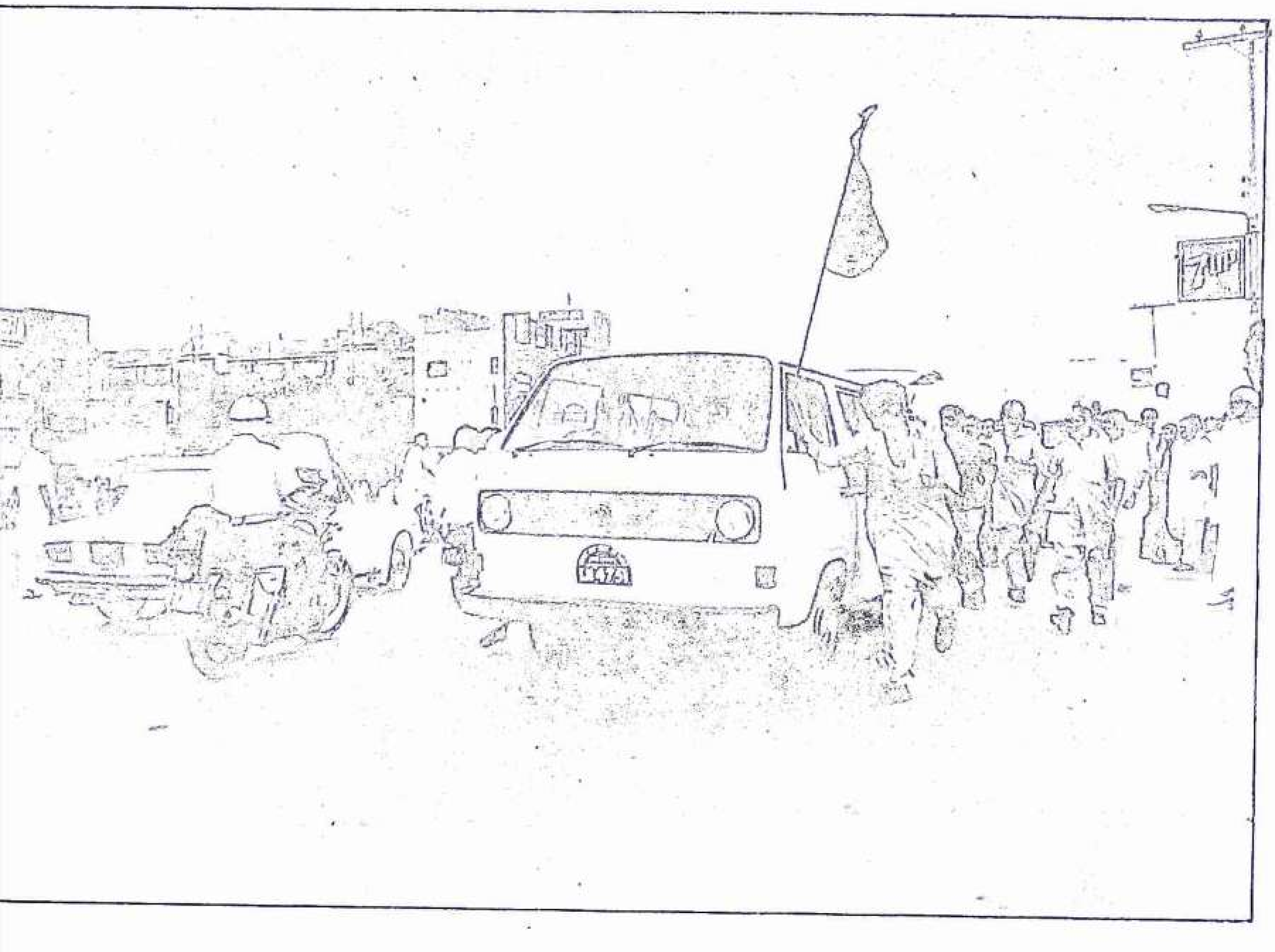
قبلہ مفتی صاحب مرحوم کا جسدِ خاکی ۹ بجے ہسپتال سے کربلا گامے شاہ لے جایا گیا۔ جہاں غسل کے بعد نعش کو کفنایا گیا اور مرحوم کی وصیّت کے مطابق جنازہ اُن کے آبائی شہر گوجرانوالہ لے گئے۔ آسمان آنسو بہا رہا تھا۔ ہوائیں سسک رہی تھیں۔ فضاؤں میں اداسی رچی ہوئی تھی۔ نعش جونہی گوجرانوالہ پہنچی۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ ہر کوچے سے آہ و فغاں، نالہ و گریاں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آنسوؤں کے سیلاب میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور میّت کو دفنانے کے لیے لاہور واپس لے آیا گیا۔۔

شہر میں اطلاع تھی کہ جنازہ ۴ بجے مینارِ پاکستان پہنچے گا۔ پروانے اپنی شمع کے آخری دیدار کے لیے ۲ بجے سے مینارِ پاکستان پر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ غریب، امیر، ان پڑھ،








7UP

علماء، غیر سرکاری، سرکاری، ہر طرح کے لوگ آ رہے تھے۔ سرگودھا سے، ملتان سے، راولپنڈی سے، جوق در جوق، آ رہے تھے۔ کچھ لوگ علم اٹھائے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ "اللہ اکبر، خمینی رہبر، مرگ بر منافقین" کے نعرے لگا رہے تھے۔

جب ۴ بج گئے تو ہر شخص بار بار کبھی اپنی گھڑی کو دیکھتا اور کبھی بوڑھے دریا کے پُل کی طرف۔ گویا

؎ آنکھیں بچھا دیں ہم نے جہاں تک نظر گئی۔

آخر کار پونے پانچ بجے وہ ویگن آ گئی جس کا سب کو انتظار تھا، اس میں سے فیض بخش اُترے۔ چند اور لوگ برآمد ہوئے اور پھر امامیہ آرگنائزیشن پاکستان کے کارکنوں نے میت کو ویگن سے نکالا اور پہلے سے رسّی کے ذریعے بنائے ہوئے ایک احاطے میں لاکر رکھ دیا۔

لوگ یکے بعد دیگرے فیض بخش کے گلے لگ لگ کر رو رہے تھے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے فوٹو گرافر اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں دُور کھڑا فیض بخش کو دیکھے جا رہا تھا۔ جانے کیوں سامنا کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ آخر ان کی نظر مجھ پر پڑی، اور آکر مجھ سے لپٹ گئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹے آنسو بہا رہے تھے۔

معلوم نہیں۔ لمحے بیتے۔ یا صدیاں ——— اتنا احساس ہے کہ کسی تیسرے شخص نے آکر ہم کو علیحدہ کر دیا۔ ——— ساڑھے پانچ بجے جنازہ جلوس کی صورت میں کربلا گامے شاہ کی جانب روانہ ہوا۔ کلمہ شہادت، درود اور تلاوتِ کلامِ پاک کی پُرسوز صداؤں میں، ہزاروں معتقدین اور دوستوں کے ساتھ مفتی صاحب مرحوم اپنے جاں نثاروں کے کندھوں پر، منزل کی جانب، آخری سفر کر رہے تھے۔

یہ آخری تکلیف تھی جو مفتی صاحب اپنے احباب کو دے رہے تھے ———

یہ آخری خدمت تھی جو ملتِ جعفریہ اپنے قائد کی کر رہی تھی اور پھر ایسا لگا، گویا زمین

کی طنابیں سمٹ گئیں ۔ کربلا گامے شاہ آگیا ۔ نمازِ جنازہ ہوئی جس میں قائم مقام گورنر پنجاب ایف ۔ ایس ۔ یو لودھی ، ڈپٹی کمشنر ، سید سعید مہدی ، پاکستان میں اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر جناب عباس زمانی ابوشریف جو نماز میں شرکت کے لیے اسی وقت اسلام آباد سے لاہور پہنچے تھے ۔ حجۃ الاسلام اکبر یحییٰ آبادی ، اور ایرانی کونسلیٹ کا سارا عملہ خانہ فرہنگ کے علی آور سیجی ، مولانا صفدر حسین نجفی ، مولانا مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ، علامہ نوری ، مولانا شبیر نقوی ، مولانا ابوالحسن اور بہت سے دوسرے علماء اور ہزاروں شہریوں نے شرکت کی ۔ نماز کے بعد —— آہ و بکا کے ساتھ —— میّت کو قبر میں اتار دیا گیا ۔

؎ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

مفتی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر فوری طور پر ایرانی سفارت خانہ اسلام آباد اور تمام ایرانی کونسلیٹ اور خانۂ فرہنگ کے دفاتر بروز منگل بند کر دیئے اور اظہارِ غم کے لیے سیاہ جھنڈے لہرا دیئے گئے اور قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا ۔

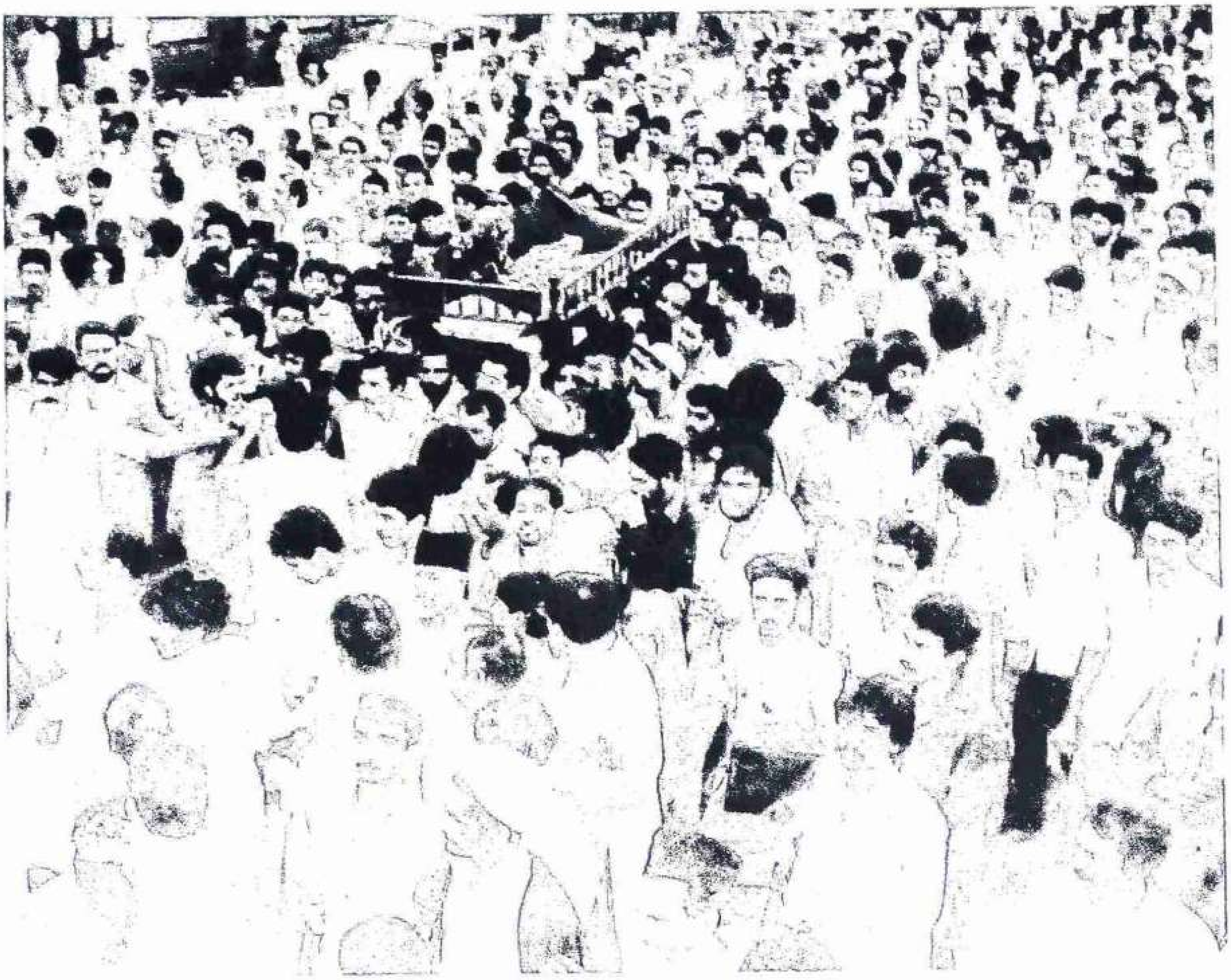
صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے جو آج کل ترکی کے دورے پر ہیں ۔ تعزیتی پیغام بھیجا جس میں مفتی صاحب مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کو سراہا ۔

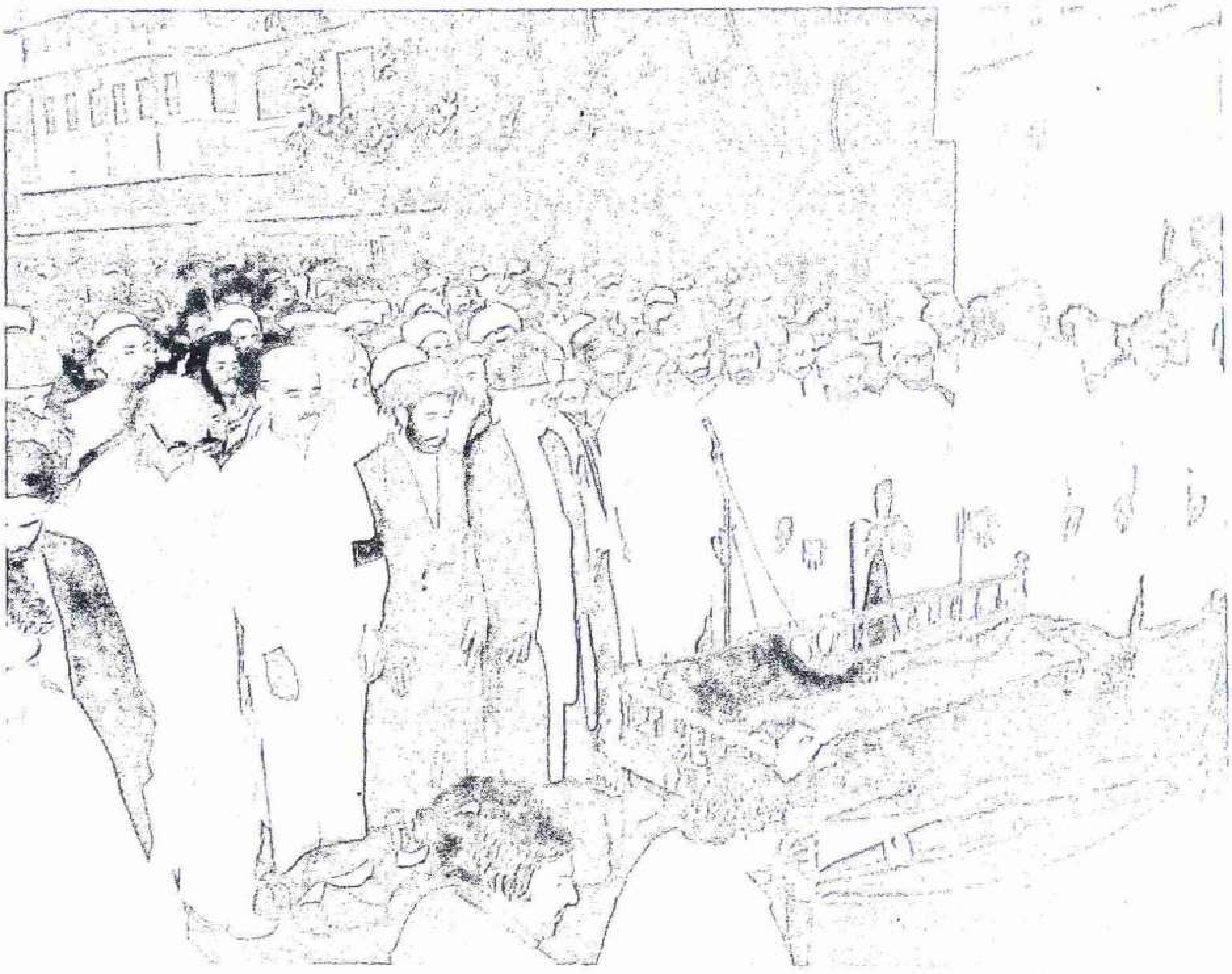
قبلہ مفتی صاحب مرحوم اتنے سادگی پسند تھے کہ جہاں جاتے ایک جوڑا لے کر چل پڑتے اور جب میلا ہو جاتا تو خود ہی دھو کر پنکھے کے سامنے سکھا کر پھر پہن لیتے ۔

آپ کو طلباء سے محبت تھی ۔ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے ۔ اگر رات کو ٹھہرنا پڑتا تو مدرسہ میں شب بسری کو ترجیح دیتے ۔

اتحاد بین المسلمین کے سب سے بڑے داعی تھے ، اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی نہ ہو ۔

میں قبلہ مفتی صاحب مرحوم اور ان کے لواحقین کی جانب سے میو ہسپتال کے عملہ کے پرخلوص تعاون ، بہترین خدمت اور اعلیٰ ترین علاج کی سہولتوں کی فراہمی پر ان کا شکریہ





آج علم و عرفان کا چراغ گُل ہو گیا

مُفتی جعفر حسین کے انتقال سے پیدا ہونے والا خلاء شاید صدیوں پُر نہ ہو

مارنے والا اور بچانے والا لندن میں بھی وُہی ہے، یہاں بھی وُہی،
میں غیر ملک میں مرنے کی بجائے اپنے وطن میں مرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

مفتی جعفر حسین

ادا کرتے ہوتے آخر میں مفتی صاحب قبلہ مرحوم کی ملّتِ پاکستان کے لیے آخری وصیّت پھر دُہراتا ہوں کہ اپنی صفوں میں اتحاد رکھیے۔

اتحاد ــــ اتحاد ــــ اتحاد

اس دُعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں " اللّٰہُ غفور الرّحیم لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرماتے۔ قبلہ مفتی صاحب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، اور ہم کو اتفاق و اتحاد سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین!

جناب شیخ محمد شریف صاحب انکم ٹیکس کمشنر (ریٹائرڈ) جو مفتی صاحب کے قریبی دوست ہیں۔ فرماتے ہیں:

"آئمہ معصومینؑ کے کردار کی عملی جھلک موجودہ دور میں اگر کسی نے دکھائی ہے تو وہ ذات مفتی جعفر حسین کی ہے۔"

امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی مرکزی کابینہ کے اراکین نے ایک ہنگامی اجلاس میں قائدِ ملّت جعفریہ مُفتی جعفر حسین صاحب کی وفات پر قرارداد تعزیّت پیش کی۔

مُفتی جعفر حسین کی موت سے جہاں ایک عالم باعمل سے دُنیا محروم ہوگئی ہے وہاں ملّتِ جعفریہ سے ایک عظیم قائد جُدا ہوگیا ہے۔ مفتی صاحب ایک ایسے وقت میں ہم سے جُدا ہوتے ہیں۔ جب حکومتِ پاکستان کی پالیسیوں کی وجہ سے ان کی ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔

مُفتی جعفر حسین صاحب شیعہ قوم میں ایک غیر متنازعہ فیہ شخصیت تھے اور بھکر کنونشن کے بعد اسلام آباد کا عدیم المثال اجتماع انہی کی کوششوں اور مساعی کا ثبوت تھا۔ انہوں نے تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ کو جس احسن اور متوازن طریقے سے چلایا یہ انہی کا حصّہ ہے۔

مفتی صاحب نے امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی ہر ممکن حد تک رہنمائی فرمائی اور امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان نے ان کی ہر آواز پر لبیک کہی۔ اسلام آباد کنونشن کے انتظامات اس کا ایک بیّن ثبوت ہیں۔

آخر میں ہماری دِلی دُعا ہے کہ خداوند کریم انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور حضرت محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام اُن سے راضی ہوں۔ آمین!

اراکین مرکزی کابینہ
امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

افتخار حسین خان صاحب
جنرل سیکرٹری، امامیہ آرگنائزیشن پاکستان

فرماتے ہیں۔

"مفتی صاحب نے ملتِ جعفریہ کے قائد کی حیثیت میں اربابِ اقتدار کے سامنے ملت کی نمائندگی کرتے ہوئے کبھی بھی مصلحت کوشی اختیار نہیں کی، اپنا موقف ہر سطح پر واضح کرتے رہے حکومت اس موقف پر رضامند ہوتی یا نہیں' یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ جہاں تک مفتی صاحب کی قیادت کا سوال ہے۔ انہوں نے کبھی بھی رعبِ حکومت میں یا مستقبل کے خوف سے کسی کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ خاص طور سے اسلام آباد کنونشن کے بعد مفتی صاحب کا کردار بہت واضح ہوگیا ہے۔ اس میں پہلے علماء کرام جلوس کی صورت میں سڑکوں پر آنے لگے تو مفتی صاحب نے کہا کہ "میں سب سے پہلے جاؤں گا، اور انہوں نے اس جلوس کی قیادت فرمائی۔ اس کے بعد عوام نے جلوس نکالا تو اس کی قیادت بھی مفتی صاحب نے ہی فرمائی۔ اربابِ اقتدار سے مذاکرات کے وقت حکومت کی جانب سے کئی ڈرافٹ پیش کیے گئے لیکن مفتی صاحب نے ان کو تسلیم کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ یہ واضح نہیں تھے۔ آخرکار باہمی رضامندی سے ایک ڈرافٹ تیار ہو گیا۔

مفتی صاحب وحدتِ اسلامی کے قائل ہیں اسی لیے انہوں نے پوری زندگی میں قلم یا زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے کسی فرقہ کی دل آزاری ہوتی ہو۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں:

> "فقہہ سے فرقہ واریت نہیں پھیلتی جس طرح کسی ایک مقدمہ میں مخالف وکیل اس مقدمہ میں اپنے ساتھی وکیل سے مخالفت رکھنے کے باوجود اس کا دشمن نہیں ہوتا اسی طرح فقیہ اسلام کا قانون دان ہوتا ہے۔ ایک فرقہ کا فقیہ دوسرے فرقہ کے فقیہ سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس کا دشمن نہیں ہوتا" اسی بنا پر مفتی صاحب صرف ملتِ جعفریہ ہی کے لیے واجبِ احترام نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان بلاامتیازِ فرقہ آپ کا احترام کرتے ہیں"

خان لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں علماء کرام نے جو ۲۲ نکات پیش کیے تھے۔ ان پر تمام فرقوں کے علماء متفق تھے۔ حکومت سے متعلق ایک شخص مفتی صاحب کے پاس آیا اور کہا " قبلہ آپ تو شیعہ ہیں۔ کیا آپ کو ان نکات پر کوئی اعتراض نہیں؟" مفتی صاحب نے سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ " نہیں یہ ہمارا متفقہ فیصلہ ہے۔"

مفتی صاحب کی تمام زندگی نہایت سادہ رہی ہے حتیٰ کہ جب آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن تھے ایک بار سرکاری طور پر کسی اجلاس کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے دو کمروں کے فلیٹ میں قیام کیا۔ اس وقت کے وزیر اعظم چوہدری محمد علی نے ان کو سرکاری رہائش گاہ میں قیام کی دعوت دی لیکن مفتی صاحب نے انکار کر دیا۔

افسر حسین صاحب نے فرمایا۔ کہ کسی شخص کی پہچان کے تین طریقے ہیں۔

۱: اس کے ہمسائیوں کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔

۲: ہم سفر سے کیسے تعلقات ہیں۔

۳: باہمی تعلقات میں کیسا ہے۔

اور مفتی صاحب اس معیار پر ہر لحاظ سے اعلیٰ کردار کے حامل رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی قیادت میں ایک سقم رہی ہے کہ انہوں نے قیادت کے سلسلے میں مستقبل کی فکر نہیں کی۔ اور اپنے بعد کوئی اپنا سا قائد تیار نہیں کیا۔

مولانا جناب اظہر حسن زیدی صاحب فرماتے ہیں

"آپ کا کردار سبحان اللہ، بہت اچھا ہے۔ اپنی بیماری و کمزوری کے باوجود بحیثیت راہنما کے جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔"

شاعری کے بارے میں آپ نے فرمایا:

"کہ جوانی کے دور میں اردو، عربی اور فارسی میں اہلِ بیت کی شان میں اشعار کہے۔ اتنا یاد ہے کہ مدح اہلِ بیت میں تھے اور کچھ اخلاقیات سے متعلق تھے۔"

جناب زیدی نے فرمایا کہ مفتی صاحب کی شخصیت ایسی تھی کہ جس سے دوستی ہو گئی۔ بس ہو گئی۔ اس میں مد و جزر کبھی نہیں آیا۔ انقطاع کبھی نہیں ہوا۔ کسی شخص سے نفرت و عداوت نہیں۔

بات کرتے ہوئے جناب زیدی کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور چند آنسو پلکوں کا بند توڑ کر چھلک پڑے۔ آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

"میں مفتی جعفر کو ایک بار پھر اپنے سامنے بیٹھا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بوجہ بیماری ان کی عیادت کو نہ جا سکا لیکن میری روح وہیں ہے۔ وہ شریف النفس، بے نیاز، غریب پرور اور وہ اخلاقی خوبیاں جو ایک انسان کا خاصا ہیں خدا نے ان میں کافی حد تک جمع کر دیں۔ خدا انہیں صحت و شفا عطا فرمائے۔"

جناب سید سجاد رضوی صاحب

مولانا مفتی جعفر حسین ہمارے علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور ورع وتقویٰ کی آزمائش وقت کے ہاتھوں کروائی ہے اور اپنے مخالفوں سے بھی اپنی علمی صلابت اور کردار کی پختگی کا لوہا منوایا ہے۔

ایک وقت تھا کہ غلامان حیدر کرار کی محفلوں کو اشاعت علوم محمدؐ وآل محمدؐ کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارا منبر آباد تھا اور ہمارے منصۂ خطابت پر مولانا سیّد سبط حسن، مولانا سید کلب حسینؒ مولانا عدیل اختر، مولانا ابن حسن نونہروی، قاری لقار علی حیدری، مولانا سید محمد سبطینؒ حافظ کفایت حسین مولانا سید محمد دہلوی، مولانا محمد بشیر انصاری، مولانا سید علی الحائری، مولانا سید محمد باقر نجفی، مولانا سید ابن حسن جارچوی، مولانا قمر الزمان میرٹھی، مولانا فیض محمد لکھیالوی، حافظ ذوالفقار علی شاہ اور ان کے امثال جلوہ گر ہوتے تھے اور علم وعرفان کے دریا بہاتے تھے۔ آج یہ سب اپنے خالق کے جوارِ رحمت میں جاگزیں ہیں۔ اس گروہ میں چند ایک ارکان ابھی ہمارے درمیان ہیں۔ خدا انہیں زندہ وسلامت رکھے۔ ان میں مولانا سید علی نقی قبلہ، مولانا مفتی جعفر حسین، مولانا اظہر حسن زیدی مولانا مرتضیٰ حسین، مولانا سید ظفر حسن امروہوی کے اسماء قابل توجہ ہیں اور ان کے دم سے ابھی منبر آباد ہے۔ خدا اسے آباد رکھے۔

مولانا مفتی جعفر حسین قبلہ اس گروہ کے ایک سربرآوردہ رکن ہیں۔ اس گروہ کی نمایاں خصوصیت علم وعرفان کی گہرائی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور اس سے اہم تر امتیازی نشان یہ ہے کہ ان حضراتِ گرامی نے ذکرِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کو تجارت نہیں بنایا اور نہ اپنی دکان خطابت کو چمکانے کے لیے ان طریقوں کو استعمال کیا جن سے منبر کا وقار مجروح ہو اور ذکرِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی شان میں کمی واقع ہو۔ ان حضرات نے پہلے کسبِ علم کیا اور پھر نشرِ علم پر کمر بستہ ہوتے۔ جو بات کی۔ باون تولے پاؤ رتی کی کھری بات کی جس پر کوئی بدترین دشمن بھی انگشت نمائی نہ کر پاتے۔ انہوں نے تحقیق واحتیاط کو اپنا وطیرہ بنایا اور محمدؐ وآل محمدؐ کے نام سے غلط بیانات داغنے کو کفر گردانا۔

ان حضراتِ گرامی میں مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ ان کا ایک امتیاز تو یہ ہے کہ انہوں نے صرف تقریر ہی کو ذریعۂ نشرِ حق نہیں گردانا بلکہ تحریر کو بھی استعمال فرمایا۔ تحریر کے میدان

میں ان کی رفاقت میں مولانا سید محمد سبطین مرحوم، مولانا سید علی نقی مدظلہ، مولانا سید ظفر حسن امروہوی مدظلہ، مولانا سید علی الحائری اعلی اللہ مقامہ جیسے حضرات کا نام آتا ہے۔ لیکن ایک بات ایسی ہے کہ اس نے قبلہ مفتی صاحب کو انفرادیت بخشی ہے اور وہ ان کے کردار کا عملی پہلو ہے۔

پاکستان میں ملتِ جعفریہ کی قیادت کا فریضہ جس فراست سے انہوں نے سرانجام دیا ہے وہ اور حضرات کے حصہ میں نہ آسکا۔ اسلام آباد کنونشن میں اور اس کے بعد ان کی قیادت نے شیعان حیدر کرار کا نام پاکستان اور پاکستان سے باہر روشن کیا اور ثابت کیا کہ شیعہ صرف ملتِ گریہ کن ہی نہیں بلکہ وقت پڑنے پر حق کی خاطر سُنّتِ شبیری کو ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج مفتی صاحب قبلہ غیروں کی نگاہ میں شیعان پاکستان کی رمزِ وحید ہیں۔

خدا انہیں زندہ و سلامت رکھے اور شیعانِ پاکستان کو اپنی قیادت سے نوازنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

جناب صفدر حسین نجفی صاحب

۲۲۔ اگست بروز پیر ۸ بجے شب جناب صفدر حسین نجفی صاحب سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، انہوں نے مفتی صاحب کے بارے میں فرمایا:

"میرے ان کے ساتھ ۲۶ سال پرانے تعلقات ہیں جن میں دوستانہ بے تکلفی کی آمیزش بھی ہے اور بزرگانہ شفقت سے بہرہ وری بھی۔ مفتی صاحب برصغیر کے چوٹی کے علماء میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں لکھنو و نجف سے فارغ التحصیل ہیں۔

تالیف و تصنیف گو کم ہے۔ صرف تین کتب تحریر کی ہیں جن میں دو کتابوں کا ترجمہ کیا ہے اور ایک ان کی اپنی تصنیف ہے لیکن علمی و ادبی لحاظ سے یہ کتب انتہائی بلند پایہ ہیں۔"

قائد ملت جعفریہ کی حیثیت سے مفتی صاحب کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

"۱۹۷۹ء میں مفتی صاحب نے ایک پریس کانفرنس کی تھی جو بعد ازاں بھکر کنونشن کا ایک سبب بھی بنی، مفتی صاحب کے اس دلیرانہ اقدام اور سابقہ کردار کی بنا پر قوم نے انہیں اپنا قائد بنایا تھا"

آپ نے فرمایا "قائد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی کوشش سے قائد بنیں اور ایک وہ جو قائد بننے کی تمنا نہ رکھتے ہوں لیکن قوم ان کو قائد بنالے۔ ان دونوں میں فرق ہوتا ہے مفتی صاحب جو گوشہ نشین تھے لیکن ملت جعفریہ کے سامنے ان سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد اور کوئی نہ تھا لہٰذا ان کو متفقہ طور پر قائد بنایا گیا اور قوم کی امنگوں، خواہشات اور ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفتی صاحب اپنی گوشہ نشینی کے باوجود قائد بننے پر رضامند ہو گئے۔ قائد کی حیثیت سے ملت جعفریہ کے مفاد کے لیے انہوں نے مقدور بھر کوشش کی۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے لیے انہوں نے ملک بھر کا دورہ کیا۔ پھر اسلام آباد کنونشن میں ان کا حصہ مثالی تھا۔ حکومت کے ساتھ انہوں نے جو مذاکرات کیے، ان میں میں بھی شامل تھا۔ اسلام آباد کنونشن اس لحاظ سے کامیاب ہوا کہ زکوٰۃ آرڈیننس اور گزشتہ قوانین میں ترمیم ہو گئی اور حکومت نے وعدہ بھی کر لیا کہ آئندہ اسلامی قوانین نافذ کرتے وقت ملت جعفریہ کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا لیکن اس سے آگے مفتی صاحب کچھ نہ کر سکے۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔ کچھ تو بعد میں لوگوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ کچھ ان کی طویل بیماری۔ یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر مفتی صاحب کام کو مزید آگے نہ بڑھا سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب جیسا عالم باعمل ہمارے پاس موجود نہیں

ہے ۔ خداوند عالم ان کے سایہ کو ملتِ جعفریہ پر قائم رکھے ۔ اور ان کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے ۔

آپ نے فرمایا کہ گزشتہ سال جب مفتی صاحب بیمار ہوئے تو کئی علماء نے مفتی صاحب سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتے کسی کو اپنا نائب مقرر کردیں جو ان کی بیماری کے دوران مختلف امور کی دیکھ بھال کر سکے ۔ چنانچہ ۱۹۸۲ میں جامع المنتظر میں وفاق علماء شیعہ کا ایک اجلاس ہوا۔ مفتی صاحب نے علماء کے مشورے سے تحریری طور پر مجھے اس کام کے لیے چُنا جو اخبارات میں بھی شائع ہو چکی ہے ۔ لیکن حالات کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ کئی وجوہ کی بنا پر میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ایک تو میرے مدرسہ کے کام ایسے ہیں جو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ دوسرے ذہنی مطابقت کے ساتھی میسر نہیں ۔ تیسرے کوئی بھی تحریک سرمایہ کے بغیر نہیں چل سکتی اور چندہ مانگنا میرے بس کی بات نہیں ۔“

آپ نے مزید فرمایا :

”مفتی صاحب انتہائی ملنسار، با اخلاق اور خوش مزاج اور سادگی پسند ہیں ۔“

آپ نے دوبارہ دعا کرتے ہوئے فرمایا :

”مفتی صاحب جیسا کوئی فرد اس وقت ہم میں موجود نہیں ۔ خداوندِ رحیم ان کو صحت اور طول العمری عطا فرمائے ۔“

قبلہ سید مرتضیٰ حسین

صدر الافاضل فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا الحاج جعفر حسین صاحب قبلہ

پاکستان کے ان علماء میں ہیں جن کا چرچا لکھنؤ میں تھا مفتی صاحب کے بارے میں یہ بھی لکھنؤ ہی میں سُنا کہ نہج البلاغہ کا ترجمہ کر چکے ہیں۔

ہجرت کے بعد لاہور آیا اور کچھ عرصہ بعد جناب مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات میں ان کی ادب دوستی، ذوقِ شعری اور زبان کی شستگی سے متاثر ہوا۔

مفتی صاحب بہت زیادہ سادہ مزاج، کم آمیز نظر آئے۔ انہوں نے نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کا ترجمہ و حواشی بہت احتیاط سے لکھے۔ وہ بات بھی آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کرتے اور تحریر بھی آہستہ آہستہ تیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تینوں کتابیں

سیرتِ امیر المومنین علیہ السلام، صحیفۂ کاملہ اور شرح نہج البلاغہ خاص اور بہت عمدہ کتابیں ہیں۔

تحریک نفاذ فقہ جعفری میں ان کی محبوبیت سب پر عیاں ہے۔

ضرورت ہے کہ ان کی سیرت پر محنت کی جائے۔ جناب کاظمی صاحب نے پہل کی ہے اللہ جزائے خیر دے۔

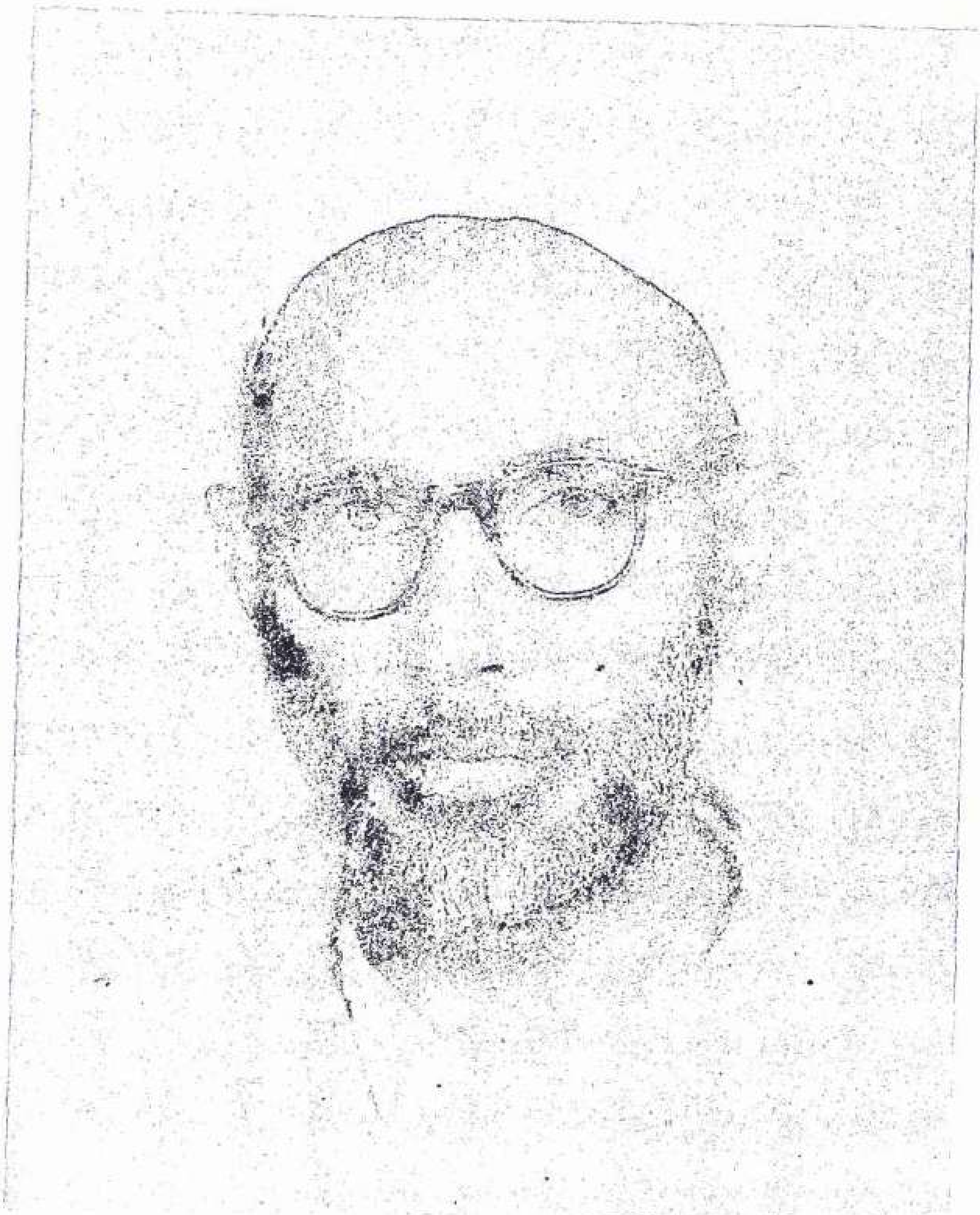
سید مرتضیٰ حسین

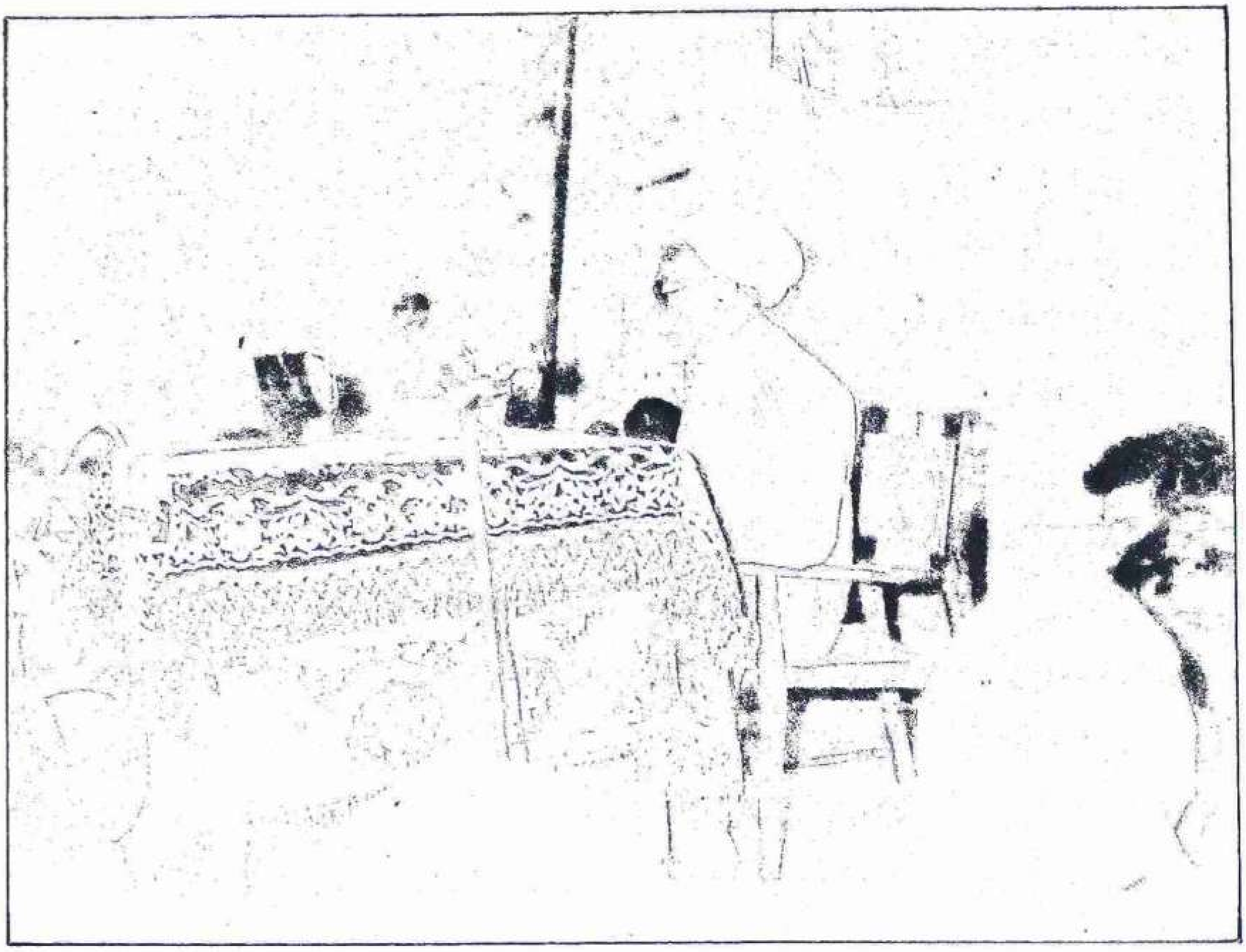
صدر الافاضل

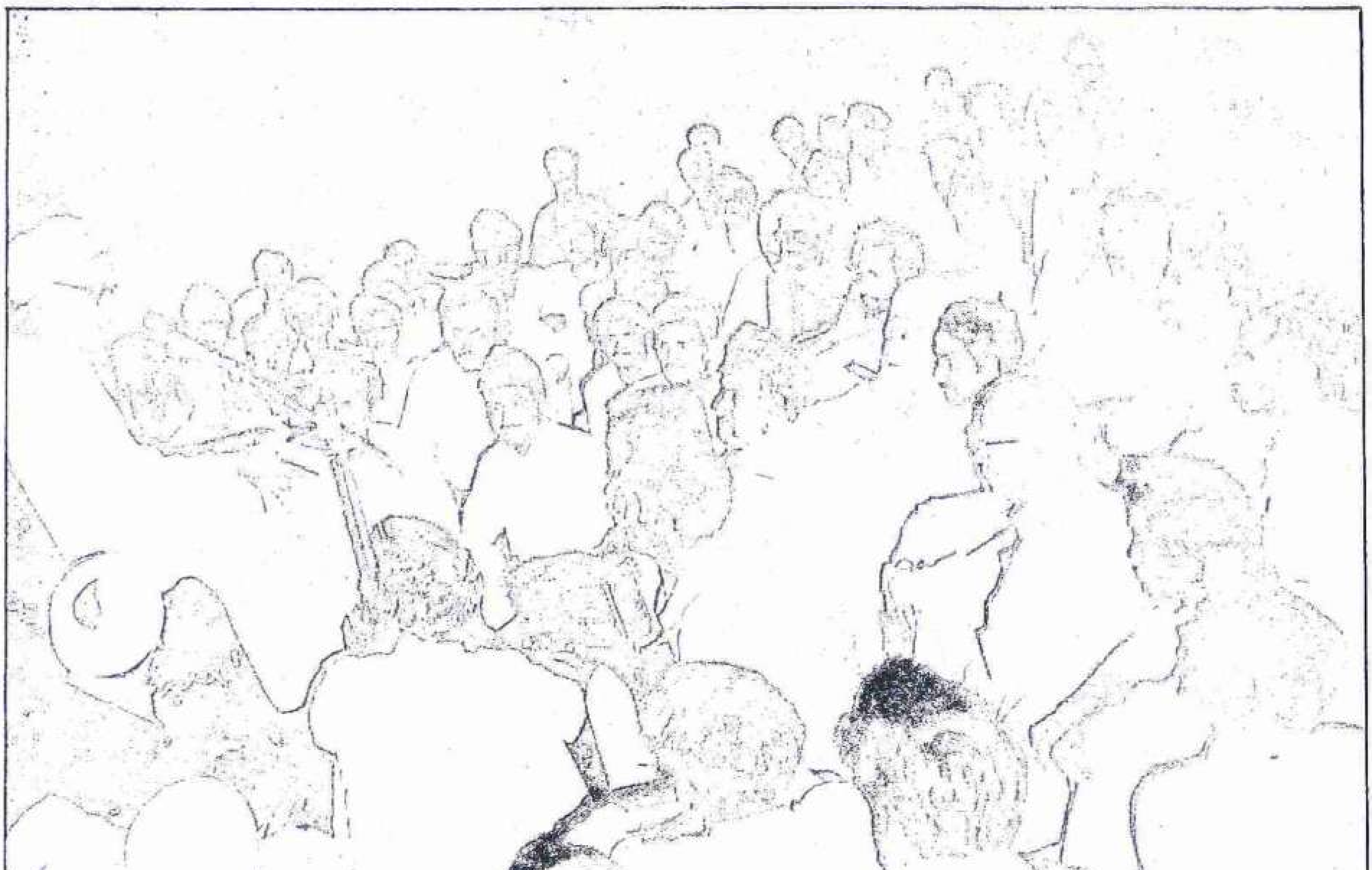


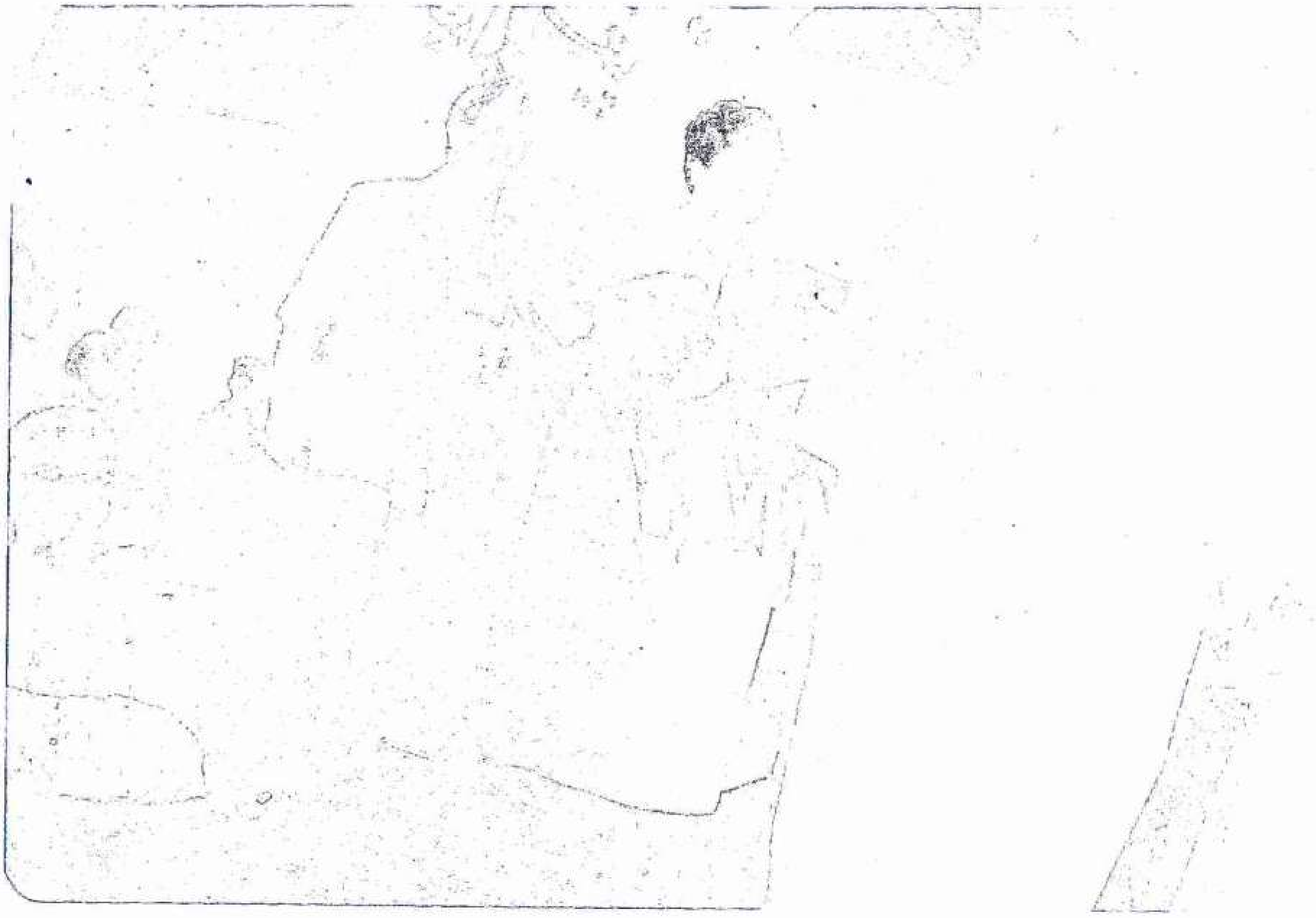
قبلہ مفتی صاحب مرحوم اور آیت اللہ طبسی ـــــ دو عالم ـ ایک سوچ

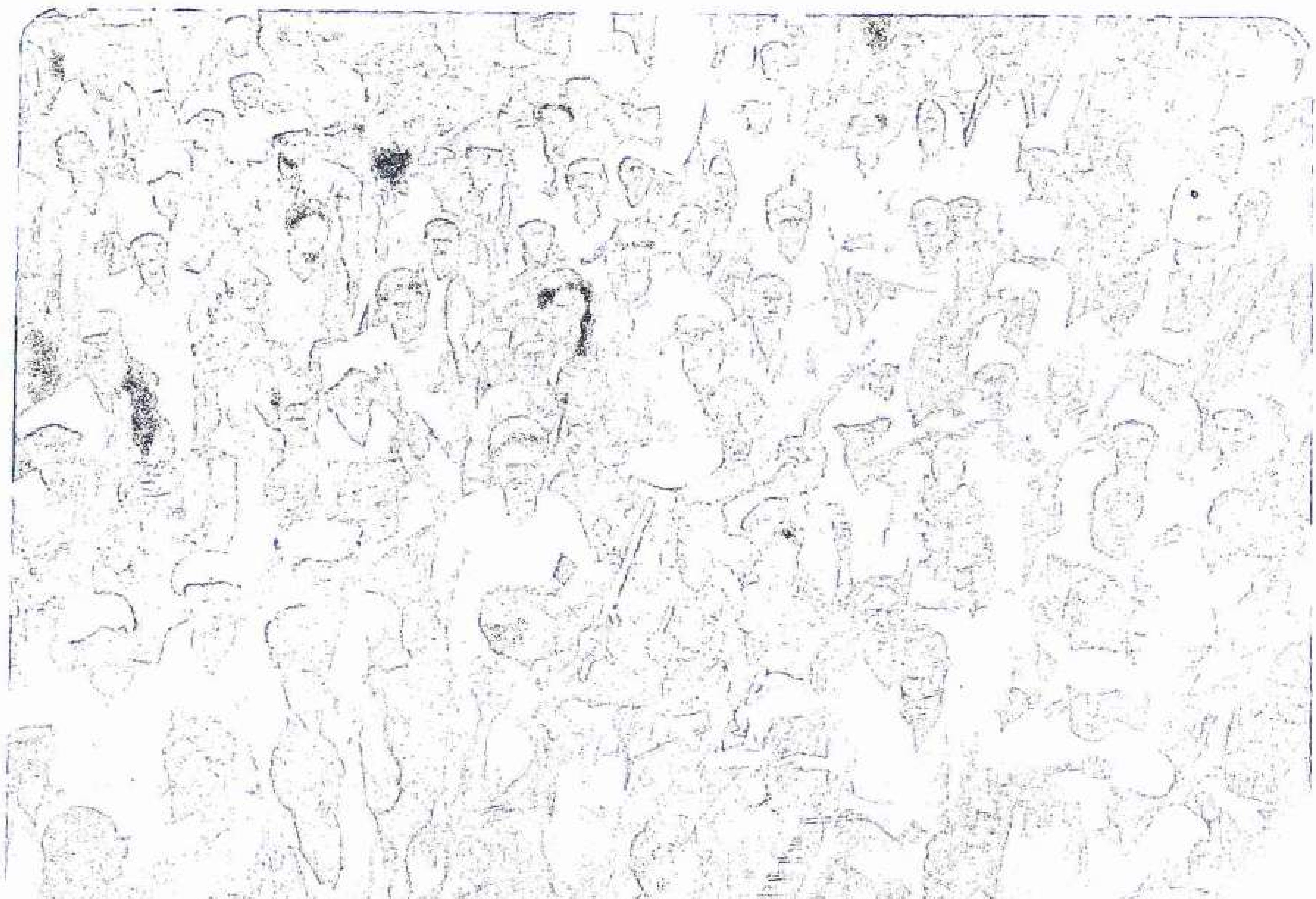


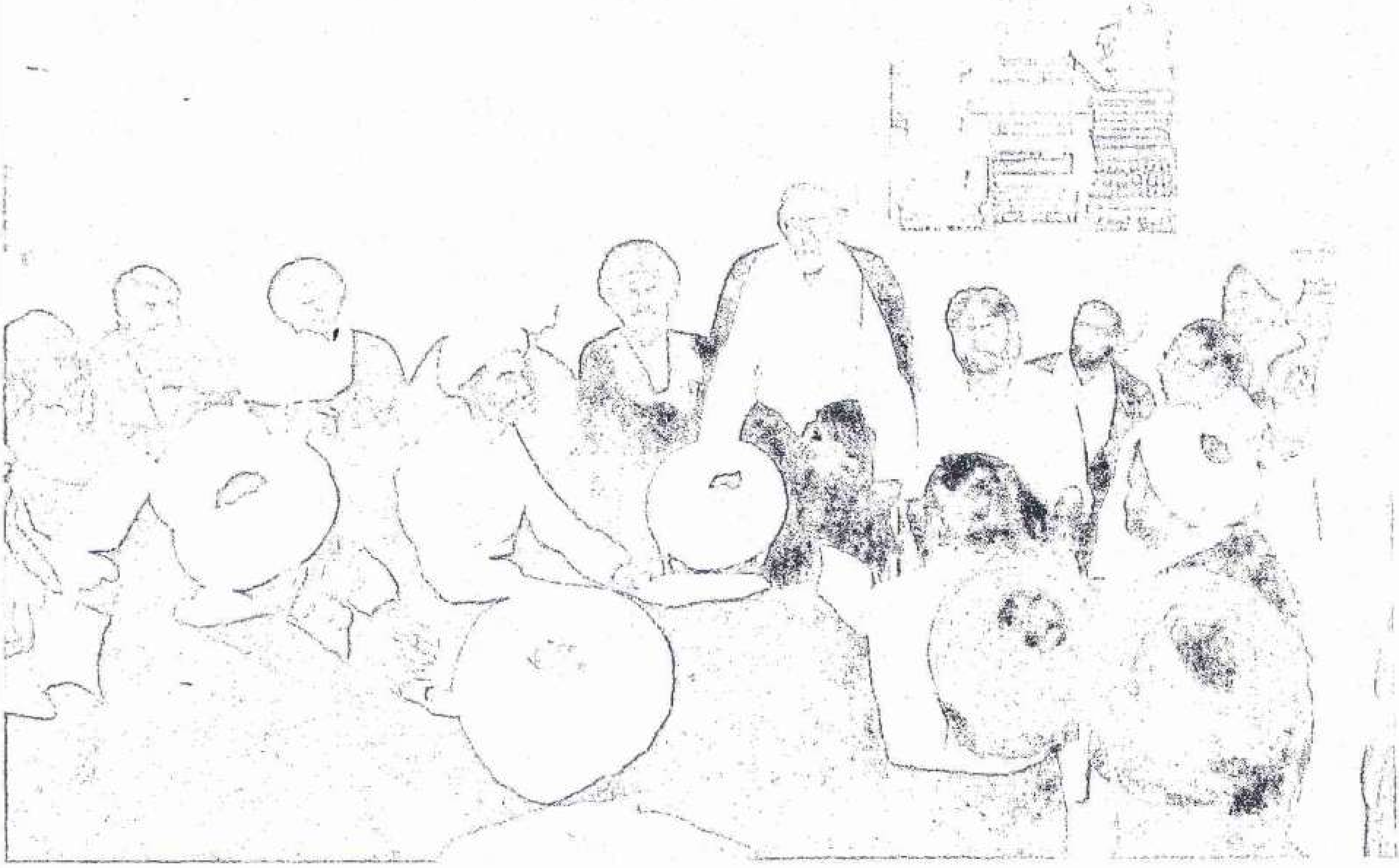








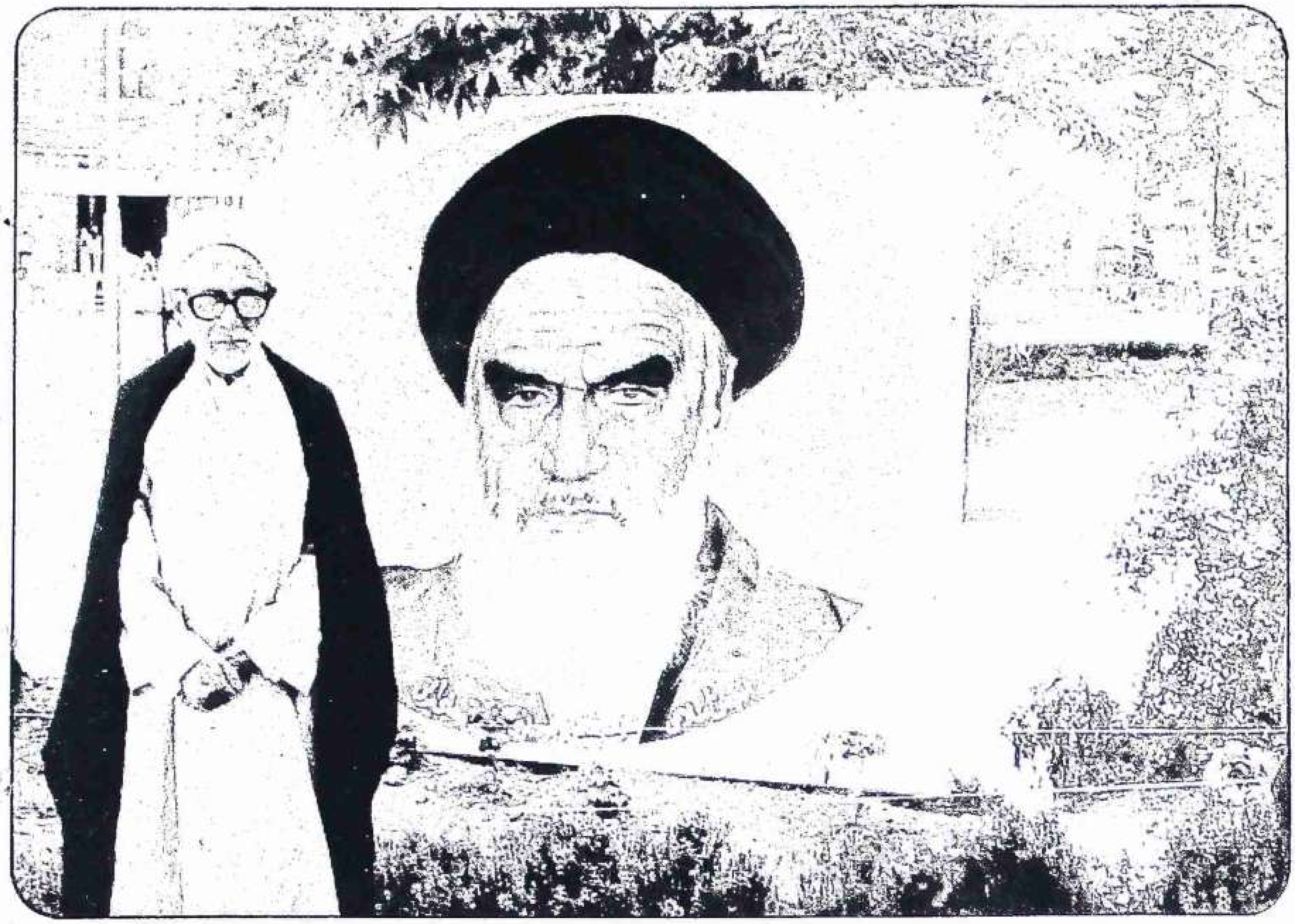


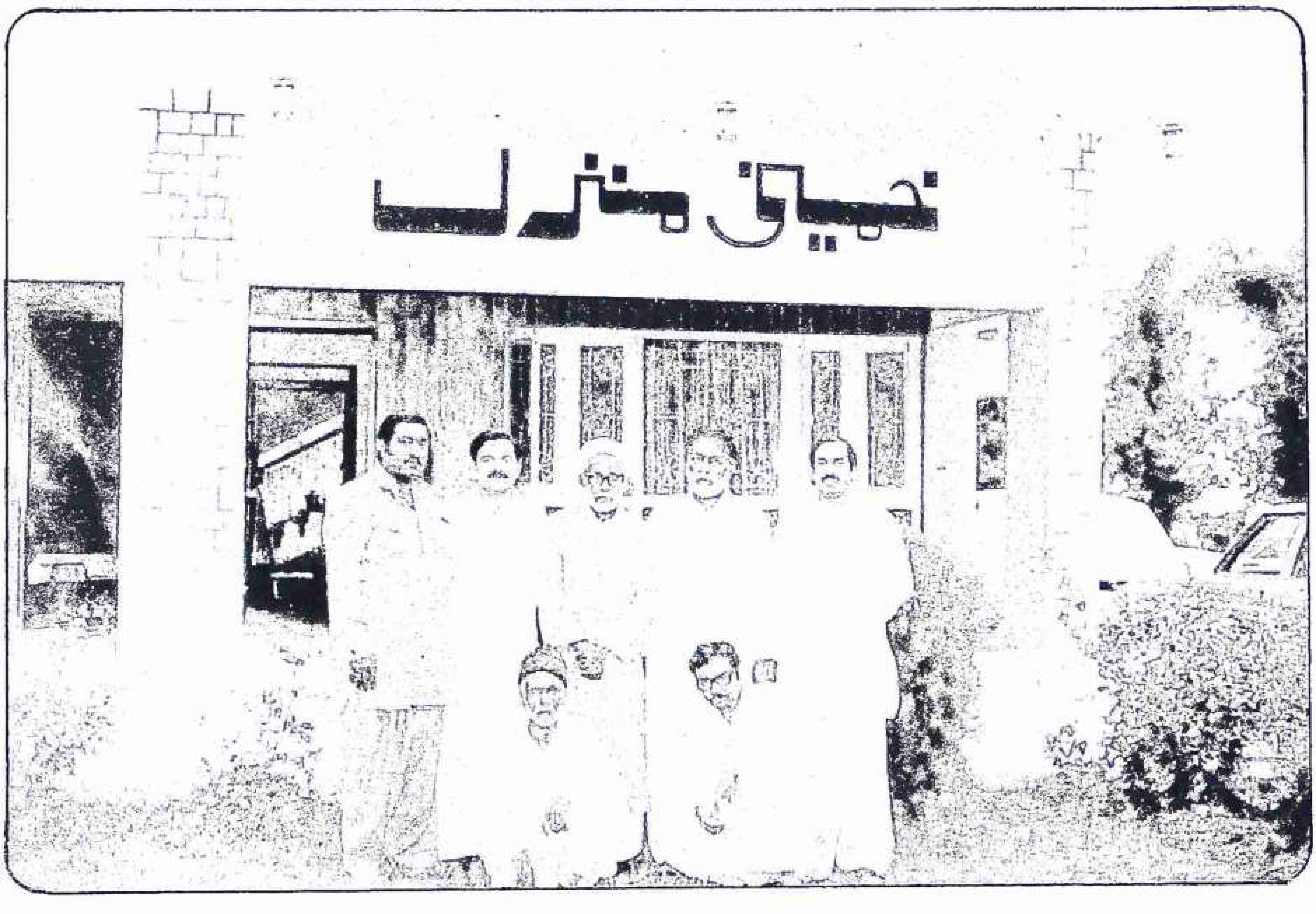


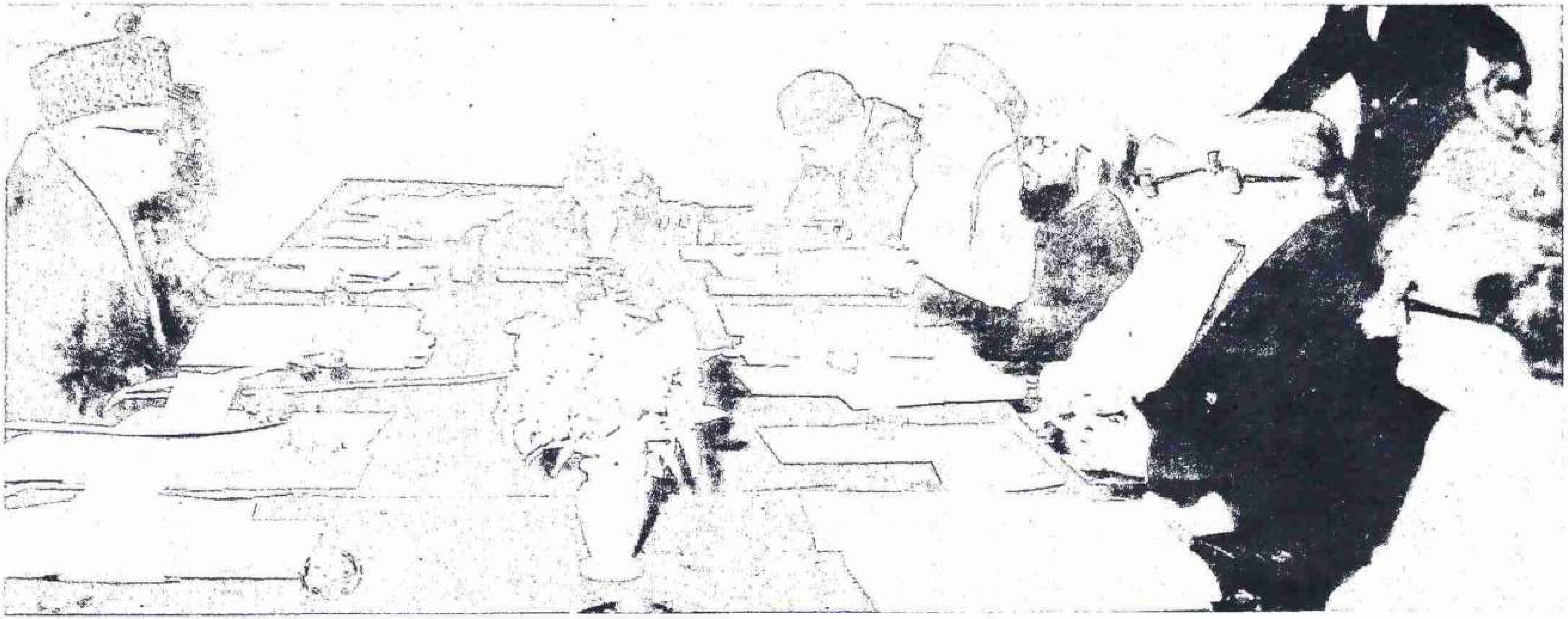
شہداء ایران کو ایصال ثواب کے لیے ایران میں ایک مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں۔



مولانا اظہر حسن زیدی ، مولانا علی نقی ، مفتی جعفر حسین مرحوم اور شائق انبالوی (ایک یادگار تصویر)







اسلامی نظریاتی کونسل کا اجلاس (۱۹۷۸)

قیمت -/۱۵
پرنٹرز: المصوّر لاہور